قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ———

ٹیلیفون: ۸۷۹۲۴۶

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریا عندلیب

ناشر: شیخ عبدالحمید

طابع: خالد منصور نسیم

مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز

۳/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵

ٹیلیفون ——— ۲۷۵۸۲۶

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

فہرست مضامین

۱۔ لمعات ——— ادارہ ——— ۲

۲۔ کشمیر جل رہا ہے ——— غلام رسول ازہر ——— ۹

۳۔ سیاسی جماعتیں اور اسلام ——— عبداللہ ثانی ——— ۱۲

۴۔ قرآن، مرکز اور صوبائیت ——— محمد ارشاد ——— ۳۵

۵۔ بیادِ سر سید ——— ادارہ ——— ۳۷

۶۔ منزل ہے کہاں تیری ——— روبینہ صادق ——— ۳۹

۷۔ حقیقت خرافات میں کھو گئی ——— وقار حسن ——— ۴۶

۸۔ ملکی قانون اور حقوقِ نسواں ——— محمد اقبال ——— ۵۰

۹۔ اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام ——— قاسم نوری ——— ۵۳

۱۰۔ حقائق و عبر ——— ادارہ ——— ۵۹

۱۱۔ اسلام I (بچوں کے لئے) ——— قاسم نوری ——— ۶۳

۱۲۔ فہرست کتب ——— ٹرسٹ ——— ۶۵

۱۳۔ ECONOMICS IN THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM ——— ادارہ ——— ۶۷

جلد ۴۳ ——— مئی ۱۹۹۰ء ——— شمارہ ۵

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۶۰ روپے

بیرونی ممالک ——— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے

فی پرچہ: -/۵ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

ایک مہذب ملک، اور آئین و قوانین کا احترام کرنے والا معاشرہ، انسانیت کیلئے اس لیئے آیۂ رحمت ہوتا ہے کہ اس میں ہر فرد محسوس کرتا ہے کہ اس کی جان، مال، عزت، آبرو محفوظ ہے۔ اور یہی وہ احساس ہے جس سے اس کی زندگی امن اور سکون سے گزرتی ہے۔ اگر آپ کو ہر وقت دھڑکا لگا رہے کہ نہ معلوم آپ کا ہمسایہ کس وقت آپ کی عزت اور ناموس پر ہاتھ ڈال دے۔ اگر آپ کو ہر آن خطرہ ہے کہ راستہ چلنے والے نہ جانے کب آپ کی جان اور مال پر حملہ کر دیں، تو آپ کی زندگی جس مسلسل عذاب میں گزرے گی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہم جن لوگوں میں بستے ہیں ان کی طرف سے حفاظت کی ضمانت ہی وہ اطمینان ہے جس سے زندگی کی گاڑی چلتی رہتی ہے۔ اگر یہ اطمینان اُٹھ جائے تو جینا محال ہو جائے۔ قرآنِ کریم نے انسانی معاشرہ کا جو بلند ترین نقشہ پیش کیا ہے اس کی اوّلین خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اس میں افرادِ معاشرہ کیلئے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن۔ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ اس میں ہر طرف سے سلامتی سلامتی کی آوازیں آئیں گی — اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا — ایسے جنّت بداماں معاشرہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے تکمیل پذیر ہونا تھا۔ اس لئے حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔

آپ تہذیب و شائستگی کے اس تقاضے۔ آئین و ضوابط کے اس احترام اور مسلمانوں کی اس تعریف (DEFINITION) کو سامنے رکھئے! اور پھر اپریل ۱۹۹۰ء کے پہلے پندھواڑے میں شائع ہونیوالے اخبارات کے اداریوں سے اخذ کردہ حالات و واقعات پر ایک نظر ڈالئے اور غور کیجئے کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں:

۱۔ اپریل ——— اراضی کی فروخت کا سکینڈل

> "وطنِ عزیز میں بدعنوانی اور لاقانونیت سکّہ رائج الوقت کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ ہر شعبہ میں اختیارات کے غلط استعمال، خُرد بُرد اور بدعنوانی کا دور دورہ ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت)

۲۔ اپریل ـــــــ ڈکیتی اور سہراب گوٹھ کی سرپرستی

گارڈن ٹاؤن کے بارونق اور تجارتی علاقہ برکت مارکیٹ میں چار مسلح نقاب پوش ڈاکو تین لاکھ روپے کے زیورات لوٹ کر فرار ہوگئے (روزنامہ جنگ)

۳۔ اپریل ـــــــ گرم سیاسی ماحول، جمہوری عمل کے لئے خطرہ

منتخب حضرات یا تو ذاتی مفادات سمیٹنے میں مشغول ہیں یا پھر اسمبلیوں میں بھٹیاروں کی طرح زبان چلا کر یا فری سٹائل دنگل کا اہتمام کرکے پوری دنیا کے سامنے اپنا اور ملک وقوم کا وقار پامال کرتے ہیں (روزنامہ نوائے وقت)

۴۔ اپریل ـــــــ کراچی، حیدر آباد میں خونریزی کب بند ہوگی؟

کراچی اور حیدر آباد میں قتل و خونریزی کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے... .... اب تک سینکڑوں بے گناہ اس خونیں کھیل کی نظر ہو چکے ہیں۔ زخمی اور معذور ہونے والوں کا تو شمار ہی نہیں ہر شہری زندگی خوف وہراس کا شکار ہے۔ کاروبار نہ ہونے کے برابر ہے اور صنعتی شعبہ تقریباً مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۵۔ اپریل ـــــــ دھماکوں کی سیاست...... پولیس کے فرائض۔

لاہور کے دہلی دروازہ میں میلاد چوک کے قریب بم پھٹنے سے چار افراد ہلاک اور پچاس کے قریب زخمی ہوگئے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۶۔ اپریل ـــــــ بازاروں میں فائرنگ کے واقعات

صوبائی دارالحکومت کی الحمد کالونی کے پُر رونق بازار میں دو گروہوں کی اندھا دُھند فائرنگ۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۷۔ اپریل ـــــــ امتحانی مراکز میں غنڈہ گردی

تعلیمی اداروں کے بعد امتحانی مراکز بھی قانون شکن عناصر کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے۔ لاہور کے متعدد امتحانی مراکز کے نگران عملے نے بی۔ اے، بی۔ ایس سی کے امتحانات لینے سے انکار کر دیا۔

۸۔ اپریل ـــــــ پولیس تشدد کے واقعات

وطنِ عزیز بالخصوص پنجاب میں عام شہریوں پر پولیس تشدد ایک روایت کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۹۔ اپریل ـــــ خوف و دہشت کی انتہا

پچھلے دو تین دنوں سے کراچی کے حالات نے جو تشویش ناک صورت اختیار کر لی ہے اس پر ہر باشعور انسان کا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ دو دن کے اندر اندر بیس سے زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور درجنوں افراد بے رحم گولیوں کی بوچھاڑ سے زخمی ہو گئے .... عام قانون پسند شہریوں کو نہ دن کو چین نصیب ہے نہ رات کو آرام سے سو سکتے ہیں .... اس افسوس ناک صورت حال کی وجہ سے پورے ملک کی حیثیت الگ متاثر ہو رہی ہے اور شریف شہریوں کی جان الگ عذاب میں آئی ہوئی ہے۔ (روزنامہ جنگ)

ـــــ پنجاب سماج دشمن عناصر کی زد میں

لاہور کے علاقہ ٹاؤن شپ میں کلاشنکوفوں سے اندھا دھند فائرنگ بھگت پورہ میں دو مسلح ڈاکوؤں کی واردات۔ پرانی انارکلی اور نیو مسلم ٹاؤن میں دو ڈاکے۔ کوٹ رادھا کشن میں کئی گھروں میں بیک وقت ڈکیتی ..... ہمارے یہاں چوروں، ڈاکوؤں، رہزنوں قاتلوں اور سماج دشمن عناصر کو کھلی چھٹی مل گئی ہے ..... اس طرح کے واقعات نہ تو کسی حاکمِ وقت کی توجہ کا مرکز سمجھے جاتے ہیں نہ کسی سرکاری اہلکار کے ماتھے پر عرقِ ندامت کے قطرے نمودار ہوتے ہیں .... بدعنوانی، اقربا نوازی اور انتقام کی سیاسی معاملات میں شرکت کی وجہ سے کسی کو فرصت ہی نہیں کہ وہ عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی طرف دھیان دے سکے۔ اسلحے کی بہتات اور با اثر افراد کی سرپرستی کی وجہ سے غنڈے، بدمعاش، ڈاکو اور قاتل دندناتے پھرتے ہیں۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۱۰۔ اپریل ـــــ وزیر اعظم ہاؤس کے اخراجات

وزیر اعظم ہاؤس کے اخراجات پانچ کروڑ بیالیس لاکھ سے بڑھ کر ۹ کروڑ روپے ہو گئے ہیں (روزنامہ نوائے وقت)

ـــــ قتل ڈکیتی روزمرہ کا معمول

ایک طرف شہری ڈاکوؤں، قاتلوں، رہزنوں اور تخریب کاروں سے تنگ آئے ہوئے ہیں ان کی جان مال اور عزت، آبرو ہر وقت خطرے میں ہے ...... دوسری طرف

پولیس بھی ان کی بے چینی کا مداوا کرنے اور انہیں سماج دشمن عناصر سے تحفظ فراہم کرنے کی بجائے ان پر جسمانی اور ذہنی تشدد میں مصروف ہے۔ عوام دوگونہ عذاب میں مبتلا ہیں۔
(روزنامہ نوائے وقت)

۱۰۔اپریل ـــــ ہوشمندی سے کام لینے کی ضرورت

یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہونے کے باوجود ہم شدید بدامنی اور رنج و بلا کے کرب میں مبتلا ہیں۔ قانون شکن عناصر معصوم انسانوں کا بے دریغ خون بہا رہے ہیں۔ لوگوں کا امن اور سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ اقتصادی اور پیداواری عمل ٹھپ پڑا ہوا ہے۔ افہام و تفہیم کی جگہ تشدد اور توڑ پھوڑ نے لے لی ہے۔ قانون کی عملداری کا تصور دن بدن کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ لوگوں کی زندگی اور شہروں کا امن و امان پُر اسرار نقاب پوشوں کے ہاتھ میں ہے۔ عدم تحفظ اور بے یقینی کا احساس اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ لہٰذا ہمارے راہنماؤں کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ مسائل و مشکلات کے حل کیلئے باہم مل بیٹھ کر کوئی حل نکالنے کی کوشش کریں۔
(روزنامہ جنگ)

۱۱۔اپریل ـــــ خلوصِ نیت کی ضرورت

رمضان شریف کا پہلا عشرہ گذر چکا ہے اور شہری قیمتوں کے اضافے کے جان لیوا عذاب سے بدستور دوچار ہیں۔ ملاوٹ اشیاء بھی فروخت ہو رہی ہیں۔ ناجائز منافع خوری بھی جاری ہے اور بعض تاجروں کی لُوٹ کھسوٹ نہ پہلے کبھی رُکی تھی نہ اب اس کے تھمنے کا کوئی امکان ہے۔
(روزنامہ نوائے وقت)

۱۳۔اپریل ـــــ بھارتی خطرہ - احساس ہے تیاری کہاں؟

ہمارا اندرونی انتشار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ حکومت اور اپوزیشن کی محاذ آرائی نے قوم کو ذہنی خلجان میں مبتلا کر دیا ہے۔ چور اور ڈکیت ہر جگہ دندناتے پھر رہے ہیں ڈرگ کلاشنکوف مافیا کسی کے کنٹرول میں نہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ سیاسی لسانی علاقائی تعصبات میں مبتلا ہو کر قوم کے مختلف طبقے قتل و غارت اور خونریزی میں اُلجھے ہوئے ہیں......

(روزنامہ نوائے وقت)

۱۴ اپریل ـــــ جناب صدر۔ داخلی سیز فائر کرائیں ورنہ.....
بھارتی فوج سرحد پر ہے. ملک میں محاذ آرائی جاری ہے. جمہوریت کی جڑیں کٹ رہی ہیں. سندھ کے حالات، بحرانی صورتِ حال پیش کر رہے ہیں. سیاسی محاذ آرائی سازشوں اور مرکز صوبوں کی کشیدگی سے فوج کو درپیش بیرونی خلیج سے نپٹنے میں مدد نہیں مل سکتی۔ (روزنامہ نوائے وقت)

ـــــ صوبائی دارالحکومت میں فائرنگ
اسلحہ کی زیادتی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کمزوری کی وجہ سے سماج دشمن اور غنڈہ عناصر کے حوصلے اس قدر بلند ہو گئے ہیں کہ وہ جہاں چاہتے ہیں فائر کھول دیتے ہیں اور بے گناہ انسانوں کو لقمۂ اجل بنا کر آرام سے چلے جاتے ہیں۔ انہیں کوئی روکنے ٹوکنے اور پکڑنے والا نہیں...... پولیس یا تو مجرموں سے ملی ہوئی ہے یا اپنے آپ کو اسقدر بے بس محسوس کرتی ہے کہ وہ کسی مجرم کا سامنا کرنے سے یا اسے پکڑنے سے کتراتی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۱۵ اپریل ـــــ ہوشربا مہنگائی
رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی سابقہ روایات کے مطابق دکان داروں اور تاجروں نے اشیاء کی قیمتیں بڑھا لی تھیں تیل کی مصنوعات اور کھاد کی قیمتوں میں اضافے سے ان کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی اور انہوں نے قیمتوں میں مزید اضافہ سے گریز نہ کیا۔ شہری انتظامیہ عوام سے ٹیکسوں کی وصولی اور دیگر معاملات میں تو خوب مستعدی دکھاتی ہے لیکن جہاں عوامی مفاد کا معاملہ ہو وہاں اس کی بے بسی دیدنی ہوتی ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

۱۶ اپریل ـــــ بھوک ہڑتال کا خاتمہ ...... آئندہ ذمّہ داری
ایم کیو۔ ایم کے قائد الطاف حسین نے گورنر سندھ کے ساتھ مذاکرات کے نتیجہ میں اپنی بھوک ہڑتال ختم کر دی...... جناب صدر غلام اسحاق خاں نے اس بھوک ہڑتال کو ختم کرانے کے لئے جو ذمّہ دارانہ کردار ادا کیا اس پر وہ قوم کے شکریے کے مستحق ہیں..... (موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے اخبار لکھتا ہے)
نومبر ۸۸ء کے انتخابی نتائج کو دھن، دھونس، روپے پیسے، ہارس ٹریڈنگ، ٹاک

ایکسچینج اور سیاسی بکرا منڈی میں خرید وفروخت کے ذریعے بدلنے کی کوشش جاری ہے۔ سارا کاروبارِ حکومت ٹھپ پڑا ہے اور اراکین اسمبلی اپنی قیمتیں لگوانے میں مصروف ہیں۔ جلسے جلوسوں مظاہروں اور آئے روز کی ہڑتالوں نے عام آدمی کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے

ہارس ٹریڈنگ کا خاتمہ

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اربوں روپے کا قومی سرمایہ ارکانِ اسمبلی کی خرید وفروخت پر ضائع کیا جارہا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت)

پاکستان کی سیاستِ حاضرہ پر اگر کوئی دو لفظوں میں تبصرہ کرنا چاہے تو اس کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس وقت پاکستان کی فضا باہمی نفرت اور عداوت کے جذبات سے معمور ہے۔ قائدینِ ملت اور اربابِ حکومت جس عدم تدبّر اور اکثر مواقع پر بے حسی کا ثبوت دے رہے ہیں، اس سے ہر شخص نالاں ہے۔ جمہوریت کے احیاء کے ساتھ ہی جس لاقانونیت نے سر اٹھایا ہے وہ اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ خود ان لوگوں کے دلوں سے بھی قانون کا احترام اُٹھ چکا ہے جن پر قانون نافذ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جرائم عام ہو رہے ہیں۔ کسی کی جان، مال، عزت، آبرو، عفت وعصمت محفوظ نہیں۔ دشمن سرحدوں پر کھڑا ہے اور ہمیں آپس کے جھگڑوں سے فرصت نہیں۔

نفرت کے جذبات یکطرفہ ٹریفک نہیں ہوتے۔ جب کسی ایک طرف سے نفرت وحقارت کا اظہار ہوتا ہے تو فریقِ مخالف کا ردّعمل بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس طرح باہمی نفرت وعداوت کا ایک ایسا دائرۃ السّوء (VICIOUS CIRCLE) وجود میں آجاتا ہے جس میں ایک جذبہ اسی قسم کے دوسرے جذبے کو جنم دیئے چلا جاتا ہے اور ساری قوم اس زہر آلود فضا میں سانس لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ بہی خواہانِ پاکستان کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ ان جذباتِ نفرت وعداوت کے سرچشمہ کا سراغ لگائیں اور پھر کوشش کریں کہ کسی طرح وہ بند ہو جائے تاکہ اس بدقسمت سرزمین کی فضا اعتدال پر آجائے۔ ورنہ یاد رکھیں قوموں کے عروج وزوال کے متعلق قوانینِ خداوندی اٹل ہیں۔ ______ انہی کے مطابق اقوامِ سابقہ کے مستقبل کا فیصلہ ہوا تھا انہی کی رُو سے ہمارے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ جب کسی قوم میں ظلم عام ہو جائے تو وہ تباہ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے۔ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ (۲۱/۱۱)

ظلم کا مفہوم تو بڑا وسیع ہے لیکن اس کے بنیادی معنی یہ ہیں کہ جس شئے یا جس شخص کو جس جگہ ہونا چاہیئے اُسے وہاں نہ رکھنا۔ ظُلم سے قوموں کی جڑ اس طرح کٹ جاتی ہے کہ خلق خدا ان کی تباہی پر خدا کا شکر ادا کرتی ہے (۶/۴۵) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

نیز یہ کہ دنیا میں حق اور باطل کی کشمکش ہر وقت جاری رہے گی۔ تم باطل کی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلسل مصروفِ جدّوجہد رہو اور اس مقصد کیلئے تمہیں جان تک بھی دینی پڑے تو بلا تامّل و توقف دیدو۔ اگر دنیاوی جاذبیتوں نے تمہارا راستہ روک لیا اور تم نے جہاد سے گریز کیا تو:

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا (۹/۳۹)

تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

لہٰذا جس قلب حسّاس میں پاکستان کا درد ہے اور اس قوم کو تباہی سے بچانے کی تمنّا اس میں موجزن، اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہاں کے نظام مملکت کو قرآنی اقدار کے تابع لے آئے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ یہ مملکت ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جائے گی بلکہ عزّت و ثروت کے اس مقامِ بلند پر پہنچ جائے گی جہاں سے انسان اپنے مقدر کے ستارے جُھک کر دیکھا کرتا ہے لیکن اگر ان سے اعراض برتا گیا تو ہماری تباہی یقینی ہے یہی خدا کی سنتِ مستمرہ ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

اور سنّت اللہ کبھی بدلا نہیں کرتی۔

بقول حضرت علامہ اقبالؒ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

نوجوانوں کے لئے فکر و نظر کی نئی راہیں

سلیم کے نام

از پرویزؒ

غلام رسول ازہر

کشمیر جل رہا ہے

اے میرے پیارے بچو، اے میرے لونہالو! ——— گبھرو جوان بیٹو! اے خوبرو جیالو!
کیا دیکھتے نہیں ہو اُس پار جاں سپارو؟ ——— کیا ہو رہا ہے واں پر، اے میرے جاں نثارو
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

وہ ارضِ پاک ہی کا ہے اک اٹوٹ حصّہ ——— وہ جان، تم بدن ہو، نس نس میں جس کا رشتہ
شہ رگ تمہاری وہ ہے، یہ مختصر ہے قصّہ ——— اٹھو مرے جوانو، اے میرے لونہالو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

ہے واسطہ خدا کا، تم کو رسولؐ کا ہے ——— کیا وہ نہیں ہیں بھائی رشتہ فضول کا ہے
کیا واسطہ نہیں کچھ اس کے حصول کا ہے ——— گبھرو جوان بیٹو! اے خوبرو جیالو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

خوں میں نہا رہے ہیں، کیسے جواں سجیلے ——— پہنے شہادتوں کا زرتاج وہ رنگیلے
جو چاہتا ہے جینا آئے وہ مر کے جی لے ——— آؤ مرے سجیلو، رنگیں لباس والو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

خونیں قبا ہے لالہ، خونیں وہ گُل زمیں ہے ——— خُوں رنگ چپّہ چپّہ، وہ وادیٔ حسیں ہے
جھومر ہے خون جس کا کیسی وہ مہ جبیں ہے ——— اے میرے دردمندو، اے میرے رازدارو
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

ہے وہ بہن تمہاری، چھینا ہے جس کا آنچل ——— رو رو کے بہہ رہا ہے وہ آج جس کا کاجل
بوڑھے جوان بچے جو ہو رہے ہیں پاگل ——— تم کو پکارتے ہیں دن رات، آن والو!!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

تم کو پکارتا ہے جو فرض ہے تمہارا ——— یعنی تمہارے ذمّے کچھ قرض ہے ہمارا
جانو، نہ جانو لیکن یہ عرض ہے گوارا ——— کرب و بلا سجاؤ اے حیدری جوانو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

سنگین وہ اُٹھی ہے، بھالا ہے کس نے مارا ——— چھاتی سے کس کی نکلا یہ خون کا فوارا
دلدوز وحشیانہ، خوں رنگ یہ نظارا ——— بھائی ہے وہ تمہارا اس کی بلائیں لے لو

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

گو رام رام مُنہ میں، پر ہے چھُری بغل میں ——— مکر و فریب پیشہ، بدلیں وہ رنگ پل میں
ناری ہر ایک ان کی ناگن ہے زہر جل میں ——— نر شیش ناگ سارے ہیں بس بھرے جوالو

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

کاغذ کے پھُول جھُوٹے بُو باس ہی نہیں ہے ——— کشمیر جل رہا ہے، کچھ پاس ہی نہیں ہے
آپس میں لڑ رہے ہیں احساس ہی نہیں ہے ——— وہ میرے خوش قلندر، وہ میرے "ہے جمالو"

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

نیرو بجائے بنسی، اور رُوم جل رہا ہے ——— ہم حال مست از ہر معصوم جل رہا ہے
پیماں کہاں ہیں اپنے، مظلوم جل رہا ہے ——— اے بے نیاز لوگو، کچھ ہوش کی دوا لو!

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

پہلے بھی اس کو تم نے کچھ آسرا دیا تھا ——— جانیں بھی دی تھیں تم نے، دشمن بھگا دیا تھا
دشمن تمہارا لیکن ہے چانکیہ کا چیلا ——— صد رنگ اس کی چالیں سمجھو مرے سیالو!

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

کیا سُود کیا زیاں ہے، کیا سوچتے ہو پگلے ——— آؤ حساب مانگیں آؤ چکائیں بدلے
پہلی ہزیمتوں کے سارے حساب اگلے ——— یہ بیش و کم کا قصہ اپنا نہیں جوالو!!

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

کہتے ہیں تم سے دشمن ہندوستاں بڑا ہے ——— اور طول و عرض اپنا گویا لکیر سا ہے
دشمن اگر بڑا ہے، اس سے بڑا خدا ہے ——— ایمان ہے ہمارا اے مومنو جیالو!!

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

جب ایک ایک مومن، دس پانچ پر ہے بھاری ——— ہر ضرب ضربِ مومن، ہر ضرب اس کی کاری
فرمان ہے خدا کا سنّت رسولؐ کی بھی ——— کیوں بات پھر ہے ٹالی اللہ رسولؐ والو

کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

موقع تمہیں ملا ہے، قدرت نے پھر دیا ہے
سویا تھا شیر جو اب بیدار ہو گیا ہے ——— جنگل میں لی ہے کروٹ، دشمن ہڑپ لیا ہے
کیسا دہاڑتا ہے جنگل میں اب جوالو! ———
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

پھر نام لیں خدا کا اللہ رسولؐ والے ——— خنجر کوئی سنبھالے کوئی اٹھائے بھالے
پھر دیکھیں ان کو کیسے جال کے پڑیں گے لالے ——— سنتے ہو بات میری اللہ رسولؐ والو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

وہ گوسفند کافر، جو جان کے ہیں لاگو ——— مکر و فریب میں ہیں جو آج سب کے آگو
وہ کائیں کائیں کرتے سارے اڑے ہیں کاگو ——— پکڑ کر پھر نہ آئیں وہ لوٹ کر جوالو
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

تم پر خدا کا سایہ دن رات پڑ رہا ہے ——— وہ بدنہاد دشمن یونہی اکڑ رہا ہے
دیکھو وہ مر رہا ہے، دیکھو وہ سڑ رہا ہے ——— شمشان گھر میں اپنے، وہ آپ ہی جیالو!
کشمیر جل رہا ہے، کشمیر جل رہا ہے

اے وارثانِ قائدؒ اقبالؒ کے سپوتو ——— شیرانِ غاب بڑھ کر دشمن پہ اپنے ٹوٹو
بدر و حنین والو خیبر شکن جیالو ——— عزمِ صمیم والو! فوزِ عظیم والو!
ارتھی اٹھی ہے اس کی دشمن نکل رہا ہے
اے لو! چتا میں اپنی وہ آپ جل رہا ہے

طباعت اور پیکیجنگ کی جملہ ضروریات
کیلئے
النور پرنٹرز و پبلشرز ۲/۳ فیصل نگر، ملتان روڈ لاہور ۲۵
فون ۲۷۵۸۲۶

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
پشاور

سیاسی جماعتیں اور اسلام

قارئینِ کرام! مقالہ ہذا کا پس منظر کچھ یوں ہے! کہ وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد نے اپنے ایک پبلک نوٹس کے ذریعہ ۲۰ اپریل ۱۹۸۹ء کو اٹھارہ سوالات پر مبنی ایک سوال نامہ اخبارات میں جاری کیا۔ سوالات کا لب لباب یہ تھا کہ "آیا اسلام میں سیاسی جماعتوں کا وجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس حد تک"۔

راقم نے تمام سوالات کا جواب یکجا کر کے اور آخر میں ایک ایک سوال کا مختصر جواب بھی دیکر یہ تحریری "بحث" عدالت کی خدمت میں پیش کی اور عدالت سے یہ درخواست بھی کی کہ اگر راقم کو بحث میں حصہ لینے کا موقعہ دیا گیا تو حاضر ہو کر سوالات کا جواب صرف قرآنِ کریم سے پیش کر کے ملک میں سیاسی جماعتوں کے طوفانِ بدتمیزی کو خلافِ اسلام ثابت کرنے کی کوشش کریگا۔ تا حال کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی۔ اس لئے مقالہ ہذا کا عنوان بھی "سیاسی جماعتیں اور اسلام" ہے۔

ممکن ہے بعض سوالات اپنے طور پر جواب میں زیادہ حصہ پالیں اور بعض کم۔ تاہم اٹھارہ کے اٹھارہ سوالات کا جواب صرف اور صرف قرآنِ کریم ہی سے دیا جا رہا ہے کہ یہ وہ آفاقی کتاب ہے جس کے لاریب ہونے میں "اُمّتِ مسلمہ مرحومہ" کی باقیات کا ہر "فرقہ" متفق ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کی فرقہ بندی مذہبی لحاظ سے تو زبردست طور پر ترقی کرتی جا رہی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا البتہ سیاسی لحاظ سے بھی یہ انتشار و خلفشار کسی طور پر کم ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ پھر خالصتاً سیاسی اور خالصتاً مذہبی ہونے کے ساتھ "RELIGIOUS CUM POLITICAL" فرقے پارٹیاں بھی موجود ہیں۔ اور ہر آنے والا دن ایک نئے "فرقے / پارٹی" کا مژدہ سنا کر طلوع ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ اس کا کوئی علاج ہو سکتا ہے؟ اور آپ صاحبان (شریعت کورٹ) اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟ انتہائی معذرت کے ساتھ یہ لکھنے کی جسارت اس لئے کرتا ہوں کہ ہر عمل کی باز پرس کیلئے وقت متعین ہے۔ جس سے کوئی بھی ذی علم شخص مبرا نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ یہ فیصلہ تاریخی اعتبار سے بھی منفرد حیثیت کا حامل ہوگا۔ اس میں ہر "مکتبۂ فکر" (اگرچہ یہ اصطلاح اپنے طور پر خود تصنّع کے علاوہ حقائق سے فرار یا خود فریبی کی آئینہ دار ہے۔ نیز دورِ جدید کی وضع کردہ مہذب اصطلاح ہے) کے علماء، فضلاء، وکلاء کو بھی دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ چونکہ ہم زبانی طور پر یہ اقرار کرتے نہیں تھکتے کہ قرآنِ کریم

ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن جب عملی شکل میں اس کے قوانین کے نفاذ کی بات کریں تو پھر ہمارے آڑے صرف "فرقے پارٹیاں" آتی ہیں۔ اس لئے جب تک کسی بھی مسئلے کے حل کیلئے یہ تصور قائم نہ کیا جائے کہ قرآنِ کریم "گذشتہ رات" نازل ہوا ہے اور ہم اس سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اُس وقت تک ہم اسی خلفشار اور انتشار کا شکار رہیں گے۔ اس تصور کو سامنے رکھ کر مشکلات کے حل کی تلاش میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ ہی ہم کسی گناہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ایک لمحہ کیلئے فرض کیا جائے کہ سرزمینِ عرب ہے۔ یہود و نصاریٰ ہیں۔ گزشتہ سو سال سے چھایا ہُوا انحطاط ہے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی قوم ہے۔ ہر فرقے کا اپنا مسلک ہے، ہر فریق کا اپنا بُت خانہ کعبہ میں ایستادہ ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کو لعن طعن کر رہا ہے۔ ہر روز لسانی، علاقائی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ قبائلی جھگڑے ہو رہے ہیں کہ اتنے میں ایک داعی الی الحق پیدا ہوتا ہے۔ پہلے تیرہ سال میں وہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک ایک کر کے چُنتا۔ مالا بناتا ہے۔ مالا کو اسلام کے نام سے یاد کرتا ہے۔ خود اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی کے سامنے جوابدہ ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اور بار بار یہ کہتا ہے:

قُلْ اِنِّیٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (۳۹/۱۳)

"ان سے کہہ دو کہ خدا کا قانونِ مکافات ایسا ہے (اس کے نتیجے میں کسی کی ذرّہ برابر رعایت نہیں کیجاتی اور تو اور، اگر میں بھی اس کے قوانین کی خلاف ورزی کروں تو مجھے ڈر ہے کہ ظہورِ نتائج کے وقت اس کے عذاب سے کبھی نہ بچ سکوں (اور جب میری یہ حالت ہے تو تم سوچو کہ میں کسی اور کو ان نتائج سے کیسے بچا سکتا ہوں)"

وہ رسولؐ جس دعوت کا داعی تھا، وہی دعوت چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا یعنی اس کے ذریعہ سے دی جانے والی شخصیت نے صرف پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا کیا اور ہر قسم کی شخصیت پرستی سے اجتناب کا حکم دیا۔ فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (۳/۱۴۴)

(موت اور مقاتلے کا ذکر آگیا ہے تو اس ضمن میں ایک اور اہم اصول کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے وہ یہ کہ تم اپنی زندگی اور قوت کا راز اپنے نظام کے استحکام میں سمجھو۔ اسے شخصیتوں کے ساتھ وابستہ مت کرو چھوٹی چھوٹی شخصیتیں تو ایک طرف اس باب میں تو محمدؐ جیسی بلند ترین ہستی کا بھی یہ عالم ہے کہ وہ صرف خدا کا پیغام پہنچانے والا ہے۔ اس سے پہلے اس طرح بہت سے پیغام پہنچانے والے آئے اور اپنا فریضہ ادا کر کے چلے گئے۔ لہٰذا اگر یہ پیغام رسان محمدؐ بھی کل کو وفات پا جائے، یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم سمجھو گے کہ اس کی موت سے یہ سارا نظام ختم ہو گیا! اور

اس کے بعد تم اپنی قدیم روش کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ یاد رکھو! جو ایسا کرے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔ لیکن جو ایمان کی روش پر قائم رہے گا اور اس نظام کی قدرشناسی کرے گا تو اسے اسکی کوششوں کا پورا پورا صلہ ملے گا۔

حقِ حکومت کے ضمن میں یہ بھی ذہن نشین کرا دیا گیا کہ محکومیت صرف قوانینِ الٰہی کی ہو گی کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔

چنانچہ فرمایا!

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ○

"(یہ چیز دین کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ دین کا اصول یہ ہے کہ محکومیت خدا کے قانون کے سوا اور کسی کی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اس باب میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اُسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اس کی تعلیم ہی ہو گی کہ تم سب اس کتاب خداوندی کی اطاعت سے جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور جس پر غور و تدبر سے اس کے مغز تک پہنچتے ہو۔ ربانی یعنی اس کے نظام ربوبیت کے علمبردار بن جاؤ۔" (۳/۷۸) مزید (۶/۹۰ - ۴۵/۱۶)

اور اگر کسی نبی نے ایسا کیا، اور تو اور خود حضور صلعم نے بھی اگر کسی حکم خداوندی کو غلط طور پر منسوب کیا یعنی اپنے کسی حکم کو خدا کا حکم کہا، تو دِل تھام کر یہ آیت پڑھیے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○

"(اس وحیِ خداوندی میں انسانی خیالات کی ذرّہ بھر آمیزش نہیں، اگر یہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اسے ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ کی محکم گرفت سے پکڑتے (اس کے پروگرام کو کبھی آگے نہ بڑھنے دیتے اور اس کے ثبات و استحکام کی قوتوں کو بے کار کر کے رکھ دیتے۔ اس کی اسکیموں کو، بے کار کر کے رکھ دیتے۔ اس کی اسکیموں کو بے جان کر دیتے) اور آخر الامر اسکی رگِ ایمانی کاٹ کر رکھ دیتے۔" (۶۹/۴۴-۴۶)

اب عرب میں گزرے ہوئے لمحات سے نکل کر یہی تصور پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ قرآن کریم گذشتہ رات نازل ہوا موجودہ روش کی جانب آیئے۔ وہی حالات ہیں۔ وہی فرقے ہیں۔ وہی سیاسی جماعتیں ہیں۔ وہی ٹکڑیاں ہیں۔ وہی قبر پرستی ہے۔ وہی چادریں ہیں۔ وہی جھاڑ جھنکار ہے۔ علیحدہ فقہیں ہیں۔ علیحدہ مسالک ہیں۔ مختلف مکاتب فکر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ عرب تک محدود علاقہ تھا، یہ پھیلا ہوا مسلمان علاقہ ہے۔ چونکہ خود رسول اللہ والذین معہ،

کے دورِ مطہرہ میں نہ کوئی فرقہ تھا اور نہ ہی کوئی سیاسی جماعت، سب کے سب انکے بعد کی پیداوار ہیں، چنانچہ
کیلئے انواع و اقسام کی بیساکھیاں بناکر قرآنِ کریم کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ ان ہی بیساکھیوں نے قرآنِ کریم کی آیات
سینکڑوں اقسام میں تقسیم کرکے رکھ دیا ہے۔ کچھ یہود و نصاریٰ کے حصّے میں آئی ہیں۔ اور اپنے مطلب کی خود مسلمانوں
نے اپنے کھاتے میں ڈال دی ہیں۔ جنّت سے متعلق تمام آیات مسلمانوں کی ہیں۔ (یاد رہے بسلم کا ترجمہ مسلمان کیا گیا ہے
حالانکہ مسلمان کا لفظ قرآن کریم میں نہیں ہے) اور جہنم تمام کا تمام بلاشرکتِ غیرے کفّار یعنی خارج از اسلام لوگوں سے بھر
دیا گیا ہے۔ ایک ایک آئت کی تفسیر اس کا شانِ نزول روایات کے ساتھ اس کی وابستگی۔ ایسی کر دی گئی ہے
کہ خود حضور صلعم کو شکائت کا موقعہ مل گیا۔ فرمایا:

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ ۲۵/۳۰

"اور رسول کہے گا کہ (اے کائنات میں ہر لمحہ ترقی کا سلسلہ جاری رکھنے والے) یہی ہے وہ میری قوم جس نے
اس قرآن کو اپنے خود ساختہ معتقدات کی رسیوں سے اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے
کے قابل بھی نہ رہا تھا (انہوں نے اپنے آپ کو اس کے تابع رکھنے کی بجائے اسے اپنے مسلک و مشرب
کے تابع رکھ چھوڑا تھا)۔"

غرض ؎
احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

قرآن کریم کی تفصیل، تشریح یا تصریف اگر خود قرآن ہی سے تلاش کی جائے تو ہر اٹھنے والا قدم منزل ہی کی طرف
بڑھے گا ورنہ تمام کی تمام کوششیں انسان کی وضع کردہ فقہوں کی نذر ہو جائیں گی۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ (۶/۴۶)

دیکھو! ہم کس طرح مختلف دلائل و براہین کو پھیر پھیر کر ان کے سامنے لاتے ہیں۔ لیکن یہ اس کے باوجود حق و
صداقت سے منہ موڑے رکھتے ہیں۔ (مزید ۶/۶۵ ۔ ۶/۱۰۶ ۔ ۷/۵۸)

مانا کہ حضور صلعم کی وفات کے بعد سے آج تک کے زمانے کو ہم بھول نہیں سکتے یا تھوڑی دیر کیلئے ایک طرف
علیحدہ نہیں کرسکتے، لیکن جب تک اس زمانی بھول بھلیوں سے ہم نہیں نکلیں گے اُس وقت تک ہم کوئی بھی فیصلہ شرعی نظام
کے تحت نہیں کرسکیں گے۔ البتہ اگر اس آفاقی کتاب کو معیار بنالیا گیا تو بڑے سے بڑے مسئلے کا حل متفقہ طور پر کر
سکیں گے۔ ہمیں "سنّت" سے انکار نہیں اور نہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ یہ لفظ انتہائی نیک نیتی کے ساتھ قرآن کریم سے
وابستہ کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ قرآن کا لاحقہ بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن جب تحقیق و تلاش کا کام شروع ہو تو خاتمہ بالخیر
"فقہ" پر ہوتا ہے اور فقہ ہر فرقے کی، دوسرے سے اتنی مختلف ہے کہ اس اختلاف کے نتیجے میں ایک فرقہ پارٹی

ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ بلکہ قاتل ہمیشہ اپنے آپ کو جنت میں محسوس کرتا ہے جہاں "تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ" کا سماں ہے اور مقتول کو "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ" میں دیکھتا ہے۔ فرقہ کے آڑے فقہ ہے اور سیاسی جماعت کیلئے وجہِ کشش شخصیت ہے۔ بنیادی طور پر قرآنِ کریم کی تعلیمات سے دونوں باغی ہیں۔ لہٰذا سنت کی تاویل ہر ایک کی اپنی ہے۔ جس کے نتیجے میں اپنے وقت کے مفسرِ قرآن جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی ایک زمانہ کی عرق ریزی کے بعد اس حقیقت کا انکشاف دبے دبے الفاظ میں کرنا پڑا کہ :

"کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعوں اور اہلحدیث کے درمیان متفق علیہ ہو" (ایشیاء ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء)

قرآنِ کریم میں قانون کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ خود اس لفظ میں سخت گیری، کسی عمل کے بے اثر نتائج، مخالفت وغیرہ کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم نے اس کے لئے انسانی اقدار کو سامنے رکھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے کسی ایسی سخت گیری کا تصور نہیں ابھرتا۔ بعض مقامات میں ایک انداز سے بعض میں دوسرے انداز سے پھیر پھیر کر جیسا کہ یہ قرآن کا اسلوب ہے لطیف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً :

كَتَبَ : بمعنی حکم دینے۔ کسی بات کو واجب قرار دینے۔ فرض کرنے۔ یا

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ : یہی اللہ کی طرف سے نافذ کردہ حدود ہیں۔ (یہ دوسری بات ہے کہ حدود کو بھی خود انسان نے خوف و ہراس کی شکل میں پیش کیا ہے)

چونکہ قرآنِ کریم ایک ایسے معاشرے کا قیام چاہتا ہے کہ جس کا ہر فرد جنت مداماں زندگی گزارے جن کے مقصد میں ہم آہنگی و یکرنگی نظر آئے۔ اُسے کوئی تنگی نہ ہو۔ وہ گھٹن محسوس نہ کرے بسلسلہ بالیدگی ہی رکاوٹ نہ بنے صلاحیتوں کی نشوونما، صلاحیتوں کا لباس زیب تن کئے بڑھتا جائے۔ اس لئے چند سزاؤں کے سوا جن کا تعلق معاشرہ پر بلا واسطہ پڑتا ہے۔ مقرر کی ہیں۔ عام طور پر قانون کو اتنا سخت گیر نہیں رکھا کہ سخت گیری سے معاشرہ فطری طور پر انتقام پسند ہو جاتا ہے اور یہ عمل اتنی خاموشی اور پُراسرار انداز سے جاری رہتا ہے کہ کوئی محسوس تک نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات اس عمل کی اثر پذیری اور اثر انگیزی پر صدیاں لگ جاتی ہیں اور پھر ذرا ذرا سی بات پر ایک ہی ملک میں بسنے والے ایک دوسرے کو ازلی دشمن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جس کی زندہ تصویر آج اپنا ہی ملک عزیز بنا ہوا ہے۔

اس کے بعد جو ذمہ داری قرآنِ کریم کی روشنی میں با اختیار حضرات پر عاید ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ

۱۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۔ ۶/۵۰

جو کچھ مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتا ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچ سکتے (بات جسمانی دیدوں کی نہیں ہو رہی فکری ادراکی

آنکھوں کی ہو رہی ہے۔ مثال مجازی ہے)

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝

اب یہ دونوں گروہ تمہارے سامنے آگئے ایک وہ جو وحئ خداوندی کی روشنی میں زندگی کے صحیح راستے پر چلتا ہے اور دوسرا وہ جو اپنی مفاد پرستیوں کے لئے غلط راستہ اختیار کرتا ہے تم سمجھتے ہو کہ یہ دونوں گروہ مآل اور نتائج کے اعتبار سے برابر ہونگے ؟ اس کا جواب دینے سے پہلے یہ بتاؤ کہ

کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں ؟

کیا تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہو سکتی ہے ؟

کیا دھوپ اور سایہ ایک ہو سکتے ہیں ؟

یا کیا مردہ اور زندہ برابر ہو سکتے ہیں ؟

اگر برابر نہیں ہوتے (اور کبھی نہیں ہوتے) تو وہ دونوں گروہ ایک جیسے نہیں ہو سکتے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ۔ (مزید تفصیل کے لئے $\frac{11}{24}$ ۔ $\frac{13}{19-16}$)

اس آیت کے آخری حصے کا تعلق خالصتاً موجودہ رائج الوقت عدالتی نظام سے ہے۔ یعنی کیا بے اختیار اور با اختیار برابر ہو سکتے ہیں ۔ کیا بے علم اور با علم (عالم) برابر ہو سکتے ہیں ۔ ہم عوام بے اختیار ہیں جبکہ آپ صاحبان با اختیار ہیں ۔ لہٰذا یہ ذمہ داری بلا واسطہ آپ پر عاید ہوتی ہے کہ احکام خداوندی کی روح کے مطابق فیصلہ صادر کریں کہ :

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

" کسی بھی نوعیت کا حکم صرف اللہ ہی کا فیصلہ کن ہوگا ۔"

فَاحْکُمْ بَیْنَہُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ

" ان کے مابین جو بھی فیصلہ ہو وہ حکم خداوندی کے تحت ہو $\frac{5}{48}$ ۔ کیونکہ

۱۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ .... $\frac{5}{44}$

یاد رکھو ! جو شخص قوانین خداوندی کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے وہ کافر ہے ۔

۲۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ .... $\frac{5}{45}$

یاد رکھو ! جو شخص قوانین خداوندی کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہے ۔

۳۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ...... $\frac{5}{48}$

یاد رکھو! جو شخص اس قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے وہ فاسق ہے۔

نوٹ:۔ (کافر، ظالم اور فاسق کی تشریح زبانی عرض کروں گا۔ اگر موقعہ دیا گیا۔)

اس مختصر سی تمہید کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا کہ یہ تعین کیا جا سکے کہ ہم اپنے پیشِ نظر مسئلے کے حل کیلئے کونسی ایسی کسوٹی کا استعمال کریں جو ہم سب کے لئے لاریب ہو۔ لہٰذا اب نفسِ مضمون پر گذارشات پیش کرتا ہوں۔ تمام کے تمام سوالات کا محور صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ سیاسی جماعتیں یا کثیر جماعتی نظام۔ اس لپیٹ میں قرآنی نقطۂ نگاہ سے وہ فرقے بھی آئیں گے جن کی بنیاد دینی ہونے کی بجائے مذہبی ہے۔ یہ ایک انتہائی باریک قسم کا لفظ وضع ہو گیا ہے کہ فرقے کی اصطلاح مذہبی اختلاف اور پارٹی کی اصطلاح سیاسی اختلاف کیلئے وضع کر دی گئی ہے۔ حالانکہ دونوں کی اصل ایک ہے لفظی ہیرا پھیری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ ہماری ہی وضع کردہ اصطلاحات ہیں جو فقہ کی نظر میں "باب الحیل" کے زمرے میں آتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۶۴/۲)

"اس نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا (جس کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ تمہیں اختیار و ارادہ کی استعداد حاصل ہے۔ انسان کی اس استعداد کا نتیجہ یہ ہے کہ) تم میں سے بعض کافر (قوانینِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنے والے) اور بعض مومن (ان قوانین کو ماننے والے) ہو جاتے ہیں۔ (کائنات میں کسی اور مخلوق کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ چاہے تو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے اس سے انکار کرے (۱۸/۲۹) لیکن یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ چلے تو وہ غلط راستے پر اور نتائج برآمد ہوں صحیح راستے کے) اس کے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتا ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ انکار اور اقرار کی تفریق خود ہماری پیدا کردہ ہے، جو دراصل انسانی ذہن کی اختراع اور ذاتی مفادات کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ صرف ایک وحیٔ خداوندی کے تحت کر دیا جائے تو فرقوں پارٹیوں کے اس بستے ہوئے اس عظیم سمندر سے اٹھنے والی ہر ایک لہر انسانیت کے ہچکولے کھانے والی نیا کو ساحلِ مراد پر پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

قرآن کریم کے نزدیک حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں۔ یہ تصور انسان کا پیدا کردہ ہے جو ہمیں وراثت میں مغربی جمہوریت کے انداز میں ملا ہے۔ نہ تو کسی واحد جماعت کا اختیار ہے اور نہ ہی کثیر جماعتی نظام کی کوئی شکل موجود ہے۔ کہ احکامِ خداوندی کے نزدیک صرف دو ہی "حزب" ہیں۔ ایک کو اس (قرآن) نے حزب الشیطان کہا ہے اور دوسرے کو حزب اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ ملاحظہ ہو!

"اسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۰ (۵۸/۱۹)

بات یہ ہے کہ مفاد پرستیوں کے سرکش جذبات ان پر بُری طرح مسلّط ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں ہانکتے چلے جاتے ہیں اور یہ ان کے ڈنڈے کے زور پہ اس روش پہ چلے جا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے ضابطۂ خداوندی کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ یہ لوگ شیطانی پارٹی کے افراد ہیں اور اسے اچھی طرح سمجھ رکھو کہ شیطانی پارٹی ہمیشہ خاسر و نامراد رہتی ہے۔

اور اب ملاحظہ ہو حزب اللہ کا تصوّر:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۰ (۵۸/۲۲)

"لہٰذا جب یہ حقیقت ہے کہ حق اور باطل ایک دوسرے کی ضد اور باہمدگر متخالف ہیں، تو) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ خدا کے قانون اور مستقبل کی زندگی پر ایمان رکھیں۔ وہ ان لوگوں سے دوستداری کے تعلّقات استوار کریں۔ جو نظامِ خداوندی کے مخالف ہو۔ خواہ وہ ان کے (ماں) باپ یا بیٹے (بیٹیاں) یا بھائی (بہن) یا ان کے خاندان کے دوسرے افراد ہی کیوں نہ ہوں (۳/۱۱۷، ۴/۹) یہ افراد مومنین وہ لوگ ہیں کہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں راسخ ہو چکا ہے اور خدا کی وحی یعنی قرآن ان کی تائید و نصرت کا موجب بن رہا ہے۔ یہ (اس زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) اس جنّتی معاشرہ میں داخل ہوں گے، جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔ جب انہوں نے اپنی زندگی کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ کر لیا تو قوانینِ خداوندی کے ثمرات و برکات یقیناً ان کے شاملِ حال رہیں گے۔ یہ ہے (شیطان کی پارٹی کے مقابلہ میں) خدا کی پارٹی۔ یاد رکھو! آخرالامر کامیابی اور کامرانی، خدا کی پارٹی کے حصّے میں ہی آتی ہے۔ حق غالب آکر رہتا ہے۔

اب رہا یہ تصوّر کہ اگر کسی معاملہ میں اکثریت ایک طرف ہو تو وہ حق بجانب یا اپنے موقّف میں صحیح ہوں گے۔ اس تصوّر کو قرآنِ کریم نے یک لخت غلط قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۰ (۶/۱۱۷)

"اب رہا یہ سوال کہ یہ ضابطۂ خداوندی اس روش کے خلاف دعوت دیتا ہے جس پر نوعِ انسان کی اکثریت گامزن ہے تو یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا۔ اسلئے کہ کسی مسلک کے صحیح ہونے کی یہ دلیل نہیں کہ اسے اکثریت نے اختیار کر رکھا ہے اگر تم (اس خیال کے مطابق) لوگوں کی اکثریت کا اتباع شروع کردو تو یہ چیز تمہیں خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے گی۔ دنیا کی اکثریت کا تو یہ عالم ہے کہ لوگ محض ظن و تخمین کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ (اور یقینی علم کے بجائے) قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں (اس کے برعکس خدا کی وحی جو کچھ پیش کرتی ہے وہ سرتاسر علم و حقیقت پر مبنی ہوتا ہے)"

چنانچہ اس ایک آیت نے اکثریت کی رائے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ کیونکہ تمام مسلمان امتِ واحدہ کے افراد ہیں۔ اور امت میں تفرقہ خواہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی جماعتوں کی صورت میں قرآن کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے۔ اور شرکِ عظیم ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس تفرقہ کو شرک کہا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ ۲/۱۴۳

اے جماعتِ مومنین! تمہیں ایک ایسی قوم بنا دیا گیا ہے جسے تمام دنیا میں بین الاقوامی پوزیشن حاصل ہو۔ جس سے دنیا کی ہر قوم یکساں فاصلے پر ہو۔ وہ نہ کسی کی طرف جھکی ہوئی ہو اور نہ کھنچی ہوئی۔ اور اس کا فریضۂ زندگی یہ ہو کہ وہ تمام اقوامِ عالم کے اعمال کی محاسب و نگران ہو"

اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر یہ کہہ کر اپنی ذمہ داری اٹھالی کہ:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ۷۶/۳

یہ سب دراصل فہم و ادراک ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ خود سوچے، سمجھے اور پھر فیصلہ کرے کیونکہ اس نے زندگی کے سینکڑوں راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اب یہ انتخاب انسان کے بس کی بات تو ہے نہیں۔ یہ بھی وحیِ خداوندی سے راہنمائی حاصل کرے گا۔ چنانچہ خداوندِ کریم نے اسے وحی کے ذریعے صحیح راستہ بتا دیا پھر اسے آزاد چھوڑ دیا کہ یہ چاہے تو اس صحیح راستے کو اختیار کرے اور چاہے اس سے انکار کرے۔

یعنی تمام مسلمان امتِ واحدہ ہیں۔ اس لئے ان کا ایک سے زیادہ حصوں میں بٹ جانا منشائے خداوندی کیخلاف ہے۔ اسی مقصد کیلئے ان کو تاکیداً کہہ دیا گیا کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳/۱۰۲)

"یاد رکھو! دین انفرادی مسلک کا نام نہیں، نہ گروہ بندیوں کے طریقے کا۔ لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم سب کے سب بلا استثناء، اجتماعی طور پر اس نظام کے ساتھ محکم طور پر وابستہ رہو اور امّت میں فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو مت آنے دو۔ (کہ فرقہ پرستی شرک ہے ۳۰/۳۱-۳۲) اور پارٹی بازی خدا کا عذاب (۶/۶۵)۔ تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو، جب تم اجتماعی زندگی کے بجائے، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اس حالت میں تمہیں ایسا نظامِ زندگی عطا کیا جس سے (تم میں صرف ظاہری اتحاد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ) تمہارے دل ایک دوسرے سے جڑ گئے اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہارا اس طرح ایمان کے رشتے میں منسلک ہو کر، ایک برادری بن جانا۔ کتنا بڑا انعامِ خداوندی تھا۔ تم اس سے پہلے ہلاکت اور تباہی کے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے کہ اس (نظامِ خداوندی) نے تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔

اللہ اس طرح، اپنے قوانین و ضوابط اور ان کے نتائج و ثمرات واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ زندگی کا صحیح راستہ تمہارے سامنے رہے۔"

(میں نے جو عرض کیا تھا کہ صرف تھوڑی دیر کے لئے یہ سمجھا جائے کہ قرآنِ کریم پچھلی رات کو نازل ہوا تھا اور اس میں ہمارے اپنے ماحول کی بات ہو رہی ہے تو وہ یہی ایک حقیقت ہے جس سے ہم روگردانی کر رہے ہیں۔)

اب بعد میں کیا ہوا؟ یہ کہ تمام سیاسی جماعتیں۔ یا مذہبی فرقے جب حکومتِ وقت کے خلاف اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کے جلسوں اور جلوسوں میں تبرکاً کسی کتبے پر یہ لکھ دیا جاتا ہے۔ یا کسی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا "تجارتی نشان" "واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا" بنا دیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ کسی آرٹسٹ سے اس آیت کی شبیہ بنوا دی جاتی ہے اور پھر اس کا اتنا چرچا کیا جاتا ہے کہ اس چرچے کے خلاف اور حق میں دو نئے فرقے جنم لے لیتے ہیں۔

اس کے بعد پھر ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ۳/۱۰۴

"اے مسلمانو! تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح قوانینِ خداوندی آجانے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے۔ (۶/۱۶۰، ۳۰/۳۲، ۴۲/۱۳) اور باہمدگر اختلافات کرنے لگ گئے۔ یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اس سے قومیں ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں اور عذابِ عظیم اُن کا مقدر بن جاتا ہے۔"

جب کسی قوم میں فرقے/پارٹیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ اپنے مسلک کو حق و صداقت کا مسلک سمجھ کر اس میں مگن رہتا ہے اور دوسروں کے متعلق سمجھتا ہے کہ وہ سب باطل ہیں۔ امّت میں فرقے پیدا کرنا یا جسے انگریزی میں

پارٹی ہی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں ایسا سنگین جرم ہے کہ حضور صلعم کے ذریعے دو ٹوک الفاظ میں کہلوا دیا کہ:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۶/۱۶۰)

یعنی جو لوگ دین میں فرقے پیدا کرلیں اور خود ایک گروہ بن بیٹھیں۔ اے رسول! تجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں (چنانچہ ایک راسخ العقیدہ فرقہ پرست بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلعم کے زمانے میں امت میں فرقے تھے) ان کا معاملہ قانون خداوندی کے سپرد کردو۔ وہی بتائے گا کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔

نوٹ:- دین ایک ایسے ضابطۂ حیات کا نام ہے جسے سادہ الفاظ میں اسلام کہا جاتا ہے۔ اس لئے فرقہ بندی سے متعلق جو بات بھی آئے گی وہ اسلام سے خارج کسی گروہ کا کام ہوگا۔ اس کا اسلام کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

واضح رہے کہ قرآن کریم نے جس تفرقہ کو شرک کہا ہے اس میں مذہبی فرقے ہوں یا سیاسی پارٹیاں، سب کے سب شامل ہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں دین اور سیاست کبھی بھی الگ الگ نہیں۔

قرآن کا مخاطب انسان انفرادی طور پر بہت کم ہے لیکن سب سے زیادہ مخاطب معاشرہ ہے۔ اور وہ معاشرے کی ایسی تشکیل چاہتا ہے جس کا ہر قدم جنت کی طرف اٹھے، جہاں ربوبیتِ عالمینی کا قدم رکا وہیں سے جہنم کا آغاز ہوا۔ (یہ اپنے طور پر ایک علیحدہ موضوع ہے)

قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اصولوں پر سمجھوتے یا مفاہمت نہیں کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو اپنے مفادات کی خاطر اصولوں کو بیچتا ہے اور سمجھوتے بھی کرتا ہے:

ع باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے اور مفاہمت کی رتی بھر بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ یہاں ایک عجیب صورتِ حال ہمارے سامنے پائی جاتی ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اسلام کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ پورے کرۂ ارض پر اسلامی حکومت نام کی کوئی شئے نہیں۔ البتہ ریاستوں پر مسلمان حکمران ضرور ہیں۔ یہیں سے غلط فہمی کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی STATES RULED BY MUSLIMS اور ISLAMIC STATES دونوں مختلف حقیقتیں ہیں۔ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ جب تک اس غلط فہمی کا ازالہ نہیں کیا جائیگا، اُس وقت تک ایک قدم بھی نہیں لیا جاسکتا۔ اور اس طرح دوسروں کو غیر اسلامی کہہ کر ان کا استحصال اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اُن کے جی کی بات ہے۔ جس حصّے کو وہ اسلامی کہنا چاہیں وہ حصّہ اسلامی ہو جاتا ہے اور بقیہ غیر اسلامی۔ پھر اگلی مرتبہ وہ غیر اسلامی حصّہ اسلامی ہو جاتا ہے اور اور اسلامی حصّہ غیر اسلامی۔ واشگاف الفاظ میں قرآنِ کریم نے کہا کہ:-

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

کیا تم قوانینِ خداوندی کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصّے سے انکار کرتے ہو (حالانکہ جس طرح انسانی زندگی کے حصّے بخرے نہیں کئے جاسکتے۔ اسی طرح اس ضابطۂ خداوندی کو بھی ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاسکتا۔ اسے مانا جائیگا تو سب کا سب مانا جائیگا۔ اور انکار کیا جائیگا تو پورے کے پورے سے انکار کیا جائیگا۔ جس طرح جسم کے دو ٹکڑے کر دینے سے کوئی ٹکڑا بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جو قوم ضابطۂ خداوندی کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور جو حصّہ مفید مطلب ہو اس پر عمل کرتی ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیتی ہے تو) اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسی قوم کی حال کی زندگی بھی ذلّت اور رسوائی کی زندگی ہوگی اور مستقبل کی زندگی بھی اندوہناک تباہیوں سے لبریز۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی رسوائی۔ ضابطۂ خداوندی سے اس قسم کا برتاؤ کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ یاد رکھو! خدا کے قانونِ مکافات کی نگاہوں سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔"

اسی آیت کے ابتدائی حصّہ کی تشریح بالکل ایسی ہی ہے جیسے آج کراچی یا سندھ کے نسلی، لسانی، گروہی اور علاقائی بنیادوں پر موجودہ فسادات ہو رہے ہیں۔ طوالت کے پیشِ نظر چھوڑ رہا ہوں۔ خدا کی اس وعید کی صداقت کی عملی شہادت تو ذلّت و خواری کی وہ زندگی ہے جس سے آج ہم دوچار ہیں۔ بلکہ مکافاتِ عمل کے نتیجے میں نیست و نابود ہو جانا ہماری تقدیر بن چکا ہے کہ فطرت کی تعزیریں بڑی سخت ہوتی ہیں۔ فطرت نہ تو کسی کی سگی ماں ہے کہ غلطی پر انعام دے اور نہ کسی کی سوتیلی ماں کہ بھلائی کا جواب برائی سے دے۔ یہ سراسر خلافِ اسلام ہے جبکہ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ:

"اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (۲/۲۰۸)"

"اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"

لہٰذا اگر اسلام کو قبول کرنا ہوگا تو پورے کا پورا قبول کرنا ہوگا، اسے جزواً قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ محض سیاسی جماعتوں کو معدوم قرار دینے سے مملکت میں حالات اسلامی ہو جائیں گے۔ یا تو وہ خود فریبی میں مبتلا ہوگا یا ابلہ فریبی کے جرم کا مرتکب۔ البتہ اتنا ہے کہ اگر ان تمام سیاسی جماعتوں کی بنیاد اور ساتھ ہی مذہبی فرقوں کو بھی غیر اسلامی قرار دے دیا جائے تو شاید سوچ کی نئی لہر پیدا ہو جائے اور قرآنِ کریم کی طرف توجّہ سے عملی شکل میں ضابطۂ حیات بنا دے۔ ان فرقہ بندیوں اور سیاسی جماعتوں کے متعلق ایک اور آیت پیشِ خدمت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ...... (۶/۱۶۰)

"دین ایک راستے پر چلنے کا نام ہے۔ مختلف راستوں پر چلنے کا نہیں۔ جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کریں اور الگ الگ گروہ بن جائیں۔ اے رسولؐ! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ قانونِ خداوندی کے سپرد کردو وہی بتلائے گا کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔"

اپنے طور پر یہ سیاسی جماعتیں یا فرقے کتنے خوش و خرم رہتے ہیں۔ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہمارے حق بجانب ہونے کا معیار کیا ہے اور کیا نہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۳۰/۳۲)

"لہٰذا تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے پیرو بن کر پھر سے مشرک نہ بن جاؤ۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح امتِ واحدہ رہنے کی بجائے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ/پارٹی سمجھتا ہے کہ جس طریقے پر ہم چل رہے ہیں وہی حق و صداقت کی راہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں گے"

ممکن ہے یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ پورے کا پورا جواب مذہبی فرقوں کے متعلق ہے۔ سیاسی جماعتوں کے متعلق ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی؟

عالیجاہ! یہ تصور اس لئے بھی ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں نہ تو مسلم لیگ کا ذکر ہے اور نہ ہی جماعت اسلامی کا۔ نہ پیپلز پارٹی کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی جمعیت العلمائے اسلام کا، بلکہ قرآن کریم کی تعلیمات کی اساسی روح امتِ واحدہ کی شکل ہے۔ اس شکل کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنا بتایا گیا ہے۔ اب وہ تقسیم سیاسی ہو یا مذہبی لسانی ہو یا گروہی، علاقائی ہو یا نسلی سب کی سب تقسیم اور ٹکڑوں نیز فرقوں/پارٹیوں کی صورت میں دیکھنا ہوگی۔

چنانچہ مزید قرآن کریم کی تصریفی (تصرف) خصوصیت کے پیشِ نظر ارشادِ ربانی ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ (۱۲/۳۹)

(توحید کے اور امتِ واحدہ کے اس نقطے کو میں ایک اور انداز سے سمجھاتا ہوں) ایک شخص صرف ایک آقا کا غلام ہے اور وہ آقا بھی ایسا ہے جو ہر قسم کے اختیارات رکھتا ہے اور دوسرا شخص بیک وقت کئی مالکوں کی نوکری کرتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان میں سے کس کی زندگی اچھی طرح سے گزرے گی؟ ظاہر ہے کہ اس کی زندگی اچھی ہوگی جو ایک آقا کا غلام ہے اور وہ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔"

چنانچہ ہماری ان تمام فرقہ بندیوں، گروہ بندیوں، سیاسی جماعتوں۔ غرض ہر قسم کے ٹکڑوں کی تقسیم کا ایک اور صرف ایک ہی نتیجہ نکلے گا۔ کیا؟ یہ کہ:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ۳/۱۰۵

"یہ دونوں گروہ ہمارے سامنے ہیں۔ ایک وہ جو نظامِ خداوندی کے رشتے میں منسلک ہو کر امّتِ واحدہ کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ دوسرے وہ جو فرقوں میں بٹ کر کفر و شرک کی راہ اختیار کریں۔ پہلا گروہ وہ ہے جن کے چہرے کامیابیوں اور کامرانیوں سے چمک رہے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ذلت کی وجہ سے رُوسیاہ ہے۔ یہ رُوسیاہ وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی حالت کی طرف لوٹ گئے یعنی فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے اس کافرانہ مسلک کی وجہ سے ان پر ذلت اور تباہی کا عبرت انگیز عذاب چھا گیا۔"

اس کے برعکس!

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۳/۱۰۶

"جن کے چہرے روشن ہیں۔ وہ خدا کی رحمتوں کے سائے میں ہیں جب تک یہ وحدت اور اخوت کی زندگی بسر کریں گے خدا کی رحمتوں کے بادل ان پر سایہ فگن رہیں گے۔ (المزید $\frac{11}{118-119}$)

اگر ان قوانینِ خداوندی کی روشنی میں سیاسی جماعتوں یا فرقوں کو یکسر اور بیک جنبشِ قلم غیر اسلامی قرار دے دیا گیا تو باقی ماندہ سوالات خود بخود ختم ہو جائیں۔ کیونکہ ان سیاسی جماعتوں یا فرقوں کے وجود کے نتیجے میں دیگر تصورات یا سوالات عملی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی اگر بانس نہیں ہوگا تو بانسری کے کسی بھی سوراخ سے کوئی آواز نکلنے نہیں پائے گی۔ نہ تو بالغ رائے دہی کا تصور ہوگا کہ سو گدھوں کا دماغ ایک شخص (عالم) کے دماغ کے برابر نہیں ہو سکتا ہے۔ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ نہ کنویسنگ ہوگی۔ نہ اخراجات ہونگے۔ نہ منصب کے لئے پیش کش ہوگی۔ نہ صلاحیت کا معیار، دولت ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس ہُوا کیا؟

ستمبر ۱۹۸۰ء میں مارشل لاء کی حکومت نے مذہبی فرقوں کی تائید حاصل کرنے کے لئے ان کو آئینی تحفظ فراہم کر دیا اور اس طرح شخصی اور پبلک قانون میں تفریق کی بنیاد بھی ڈال دی۔ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ الف میں وضاحتی نوٹ اور آرڈیننس برائے نفاذِ شریعت کی کلاز ۲ (ای) کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ یہ اقدام احکامِ قرآنی کے صریحاً خلاف نہیں۔

ملاحظہ ہو وضاحتی نوٹ:-

Islamic Provisions.

227. Provisions relating to the Holy Quran and Sunnah:-

(I) All existing laws shall be brought in conformity with the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah,

in this part referred to as the Injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such injunctions.

Explanation:- In the application of this clause to the personal law of any Muslim Sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by that sect.

(Third Amendment) Order, 1980, w.e.f. 17-9-1980.

قرآن کو آئینی تحفظ فراہم کر دیا گیا۔ ملّتِ واحدہ آئینی طور پر فرقوں میں بٹ گئی۔ ؎

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے! (ضربِ کلیم)

۱۶ر نومبر ۱۹۸۸ء سے چند دن قبل پوری قوم "جمہور خولیا" کا شکار ہو گئی تھی۔ ذہنی ابتری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ الیکشن کمیشن نے جب انتخابی نشانات کے لئے درخواستیں طلب کیں تو ستر سیاسی جماعتوں بشمول مذہبی جماعتوں کی درخواستیں میدان میں آئیں۔ ان میں سے تقریباً ۴۰ پارٹیوں جن میں اکثریت مذہبی کم سیاسی جماعتیں بھی تھیں، کو انتخابی نشانات ملے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم مزید چالیس تسلیم شدہ فرقوں میں بٹ گئی۔ یہ "امّتِ واحدہ" تھی یا "امت منتشرہ" جسے اقبالؒ نے کس خوب انداز سے پیش کیا:

؏ جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ذرا دیر کے لئے رک کر سوچنے کی بات ہے:

کہ اگر دین میں فرقے نہ ہوں گے تو مختلف نظریات کی حامل یا خود فریبی پر مبنی اعلیٰ منشور کی حامل سیاسی جماعتیں کیسے وجود میں آئیں گی۔ جب سیاست اور دین الگ الگ ہو جائیں تو اسے ہم دونوں کی ثنویت کہیں گے۔ جس کے نتیجے میں شخصی اور پبلک لاز کا وجود پیدا ہو گا۔ بالفاظِ دیگر میرا ذاتی معاملہ امورِ مملکت کے بارے میں مختلف ہو گا۔ نجی زندگی میں شاید میں دیانت دار۔ رحمدل۔ پرہیزگار۔ موحد اور قابلِ اعتماد، لیکن مملکت کے نمائندہ کی حیثیت سے میں مکّار، فریبی اور مملکت کے لئے سب کچھ کر گزرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ صرف امورِ سلطنت کو "O.K" رکھنے کیلئے مندروں میں کھڑے بتوں کی نقاب کشائی بھی کرونگا۔ بظاہر بُت شکنی کے درس دونگا۔ قرآن کے نزدیک یہ ثنویت، منافقت ہے اور اس کا ٹھکانا جہنّم۔

قرآنِ کریم کی روشنی میں ممبرانِ مجلسِ شوریٰ کی کیا صفات ہیں۔

ہر ممبر کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ کسی بھی امورِ سلطنت کو چلانے کے لئے شرطِ اوّلین مومن ہونا ہے اس کی دیگر خصوصیات کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت اس کی علمی استعداد ہے۔ جیسے قرآنِ کریم نے اہل الذّکر کے نام سے یاد کیا ہے اور راسخون فی العلم پکارا ہے۔ (ہم اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے کہ عام طور پر اہل الذّکر کی اصطلاح ان ہی لوگوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے جو سفید صافہ باندھے مخصوص لباس زیب تن کئے مالا جپتے رہتے ہیں۔ جبکہ قرآنِ کریم کے نزدیک خود تعلیماتِ قرآن کا نام ذکر ہے) اس لئے بھی اہلِ علم ہی وہ لوگ ہیں جو امورِ سلطنت کو بہتر طریقہ سے چلانے کے حقدار ہیں۔ دولت کے بل بوتے پر جہلا کا اسلامی سلطنت میں مجالس شوریٰ کے ممبر کی حیثیت سے آنا خلافِ تعلیماتِ قرآن ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں بھی، ارشادِ ربّانی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۱/۷

"اہلِ علم لوگوں سے یقیناً علم حاصل کرو۔ اگر بعض معاملات میں تم اپنے آپ کو لاعلم یا بے علم سمجھتے ہو۔"

ظاہر ہے کہ کاروبارِ سلطنت کا یہ سلسلہ علم ہی کے تبادلے سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ چونکہ قرآنی نکتہ نگاہ سے یا یوں کہیئے کہ اسلامی نکتۂ نظر سے جو تصوّرِ مملکت قرآن پیش کرتا ہے، اس کی رُو سے حکومت کسی خاص گروہ یا پارٹی تک محدود ہو کر نہیں رہتی۔ بلکہ اس میں پوری کی پوری امّتِ واحدہ شامل ہوتی ہے۔ ممبرانِ شوریٰ کے تحت آنے والی اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تکمیل کا ذریعہ قرآنِ کریم کے احکامات اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے۔ نہ پارلیمان کی نہ کسی ادارہ کی اور نہ ہی منتخب ہو کر آنے والے کسی شخص کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعیّن کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حالات اور واقعات نیز روشِ زمانہ اور اقدار کو سامنے رکھ کر جزئیات کا تعیّن امّتِ واحدہ خود کرتی رہے گی اور یہ جزئیات وقتاً فوقتاً حالات کے ساتھ بدلتے رہیں گے۔ قرآنِ کریم کی اہم تعلیمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حیات ایک ترقی پذیر مسلسل عملِ تخلیق ہے۔ اس لئے ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل آپ تلاش کرے۔ وہ سابقہ علمی سرمائے سے استفادہ ضرور کرے لیکن وہ ان کی راہ میں روک نہ بنے اور نہ بننے دیا جائے۔ جہاں تک کسی امیدوار کی نااہلی کا تعلق ہے تو قرآنِ کریم نے ایک غیر متبدّل قانون بنا کر جزئیات کی اجازت دے رکھی ہے۔ وہ غیر متبدّل قانون ذیل کی آیت میں موجود ہے۔ رائے دینا۔ شہادت دینا۔ خود کو کسی منصب کیلئے پیش کرنا۔ امورِ سلطنت میں حصّہ لینا وغیرہ اسی سے مستنبط ہیں۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۲۴/۴)

دراصل ابتدائی آیت کا حصہ بدکاری اور الزام تراشی سے متعلق ہے (طوالت کی خاطر گریز کی معافی چاہوں گا) چنانچہ اس قسم کے جرائم اگر ثابت ہو جائیں تو مجرم کو معاشرے کا عضوِ معطل تو نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ اس کے ساتھ شہری تعالمہ کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی گواہی، رائے شہادت قبول نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب غور فرمائیں۔ تو بے بنیاد الزامات کی اتنی کڑی سزا دی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بے بنیاد الزامات معاشرے کو فساد سے ہمکنار کرتے ہیں۔ ہمارے تمام امیدوار ساری رات الزامات کی فہرست فریقِ مخالف کیخلاف تیار کرتے ہیں اور اپنی صبح کا آغاز انتخابی مہم کے دوران الزامات سے کرتے ہیں۔

رہی جزئیات کی بات تو وہ اسلامی مملکت اپنے طور پر طے کر سکتی ہے کہ امیدوار فلاں فلاں جرائم کا مرتکب نہ ہو یا فلاں فلاں مفادات کے حصول کی بنا پر نااہل ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ کام ان ہی کے حصے میں آئے گا جو صاحبانِ علم و ادراک ہوں۔ امانت دار ہوں۔ تقویٰ شعار ہوں۔ ان اوصاف کی موجودگی ہی سے وہ مستثنیٰ کہلانے کے مستحق ہونگے۔ تعصب، جہالت، قدامت پرستی اور توہم انگیزی نیز وسوسہ آرائی کی جو تعلیم مذہبی پیشوائیت کی طرف سے دی جاتی ہے جب تک اس سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے گا۔ ہم زندگی کی شاہراہ پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکیں گے۔ بلکہ ہر روز نت نئے فتنے اور فساد ایسے پیدا ہوتے جائیں گے کہ ہم بے ساختہ پکار اٹھیں گے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ۔

جزئیات کے تعین سے متعلق ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ممبرانِ شوریٰ کے فرائض میں شامل ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ .... ($\frac{5}{101-102}$)

"اے جماعتِ مومنین! جن امور کے متعلق تمہیں اشارہ تک بھی نہیں دیا گیا تو یہی بہتر ہوگا کہ ان کے متعلق مت پوچھا کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تو سلسلۂ وحی جاری ہے اور تمہیں تمہارے سوال کا جواب بھی مل جائیگا۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہوگا کہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی اور خود تمہارے لئے بھی یہ خدا کی طرف سے ایک اٹل قانون قرار دے دیا جائے گا۔ تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ پھر اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ بعض معاملات حالات زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ چونکہ ایسا تم سے پہلے بھی ہو چکا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کو تبدیل نہ کر سکے اور نہ ہی اس سے پیچھا چھڑا سکے۔ چنانچہ انہوں نے دین ہی کو چھوڑ دیا۔ لہٰذا انہیں ہم نے دانستہ ایسا چھوڑ دیا ہے تاکہ تم اسے حالاتِ زمانہ کے مطابق طے کر سکو۔"

چنانچہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی جزئیات کا تعین بھی وحی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس لئے تعین کے بعد وہ ایک غیر متبدل قانون بن جاتا تھا۔ اب جبکہ وحی کا سلسلہ بند ہوگیا ہے اور یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ حضور صلعم کے بعد کسی اور نے بھی آنا ہے۔ یا خداوندکریم کسی انسان کے ساتھ بالمشافہ یا روحانی طور پر ہمکلام ہوگا۔ لہٰذا یہ OPTION خود حضور صلعم کے زمانہ میں اور مابعد کے زمانے کو بھی بذریعہ ممبران مجالس شوریٰ دے دیا گیا ہے کہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۳/۱۵۸

امورِ مملکت اپنے رفقاء کے مشورہ سے طے کرلیا کرو

چنانچہ جزئیات ہوں یا بعض حالات میں کسی قومی مسئلہ پر کلیات، اُس نظامِ شورائیت (اسلامی نظامِ مملکت) کے ذمہ ڈال دی گئی ہیں۔

حضور صلعم نے نظامِ شورائیت کے قیام کی تلقین سورۂ شوریٰ (پوری سورت کا نام شوریٰ ہے) کی آیت ۴۲/۳۸ میں فرمایا کہ جماعتِ مومنین کے فیصلے باہمی مشاورت سے طے ہونگے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہونگے۔

جسے انگریزی میں CONCENSUS کہا جاتا ہے۔ یہ باہمی مشاورت کن لوگوں کے درمیان ہوگی۔ قرآنِ کریم نے سوال ۱۲ کا جواب یوں دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان خصوصیات کے حامل نہ ہوں تو وہ باہمی مشاورت کے اہل بھی نہیں ہیں۔ بقایا تمام سوالات کا جواب قرآنِ کریم میں بکھرے ہوئے مومنین کے اوصاف کو اکٹھا کرنے کے بعد ہی دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مومنین کی صفات ہی مجلسِ شوریٰ کے ممبران کی صفات ہونگی۔ ان صفات کی تفصیل سورۃ شوریٰ میں موجود وہ آیات ہیں جو پیشِ خدمت ہیں۔ (اگر موقعہ دیا گیا تو ممبرانِ شوریٰ کی مزید صفات یعنی (QUALIFICATION FOR MEMBERSHIP) زبانی عرض کروں گا)

ارشادِ ربانی ہے:

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ۝ فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ۝ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ص وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ ۴۲/۳۵-۳۸

اس سے ان لوگوں کو جو ہمارے قوانین کے حق ہونے کے بارے میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اور ان

سے سرکشی برتتے ہیں۔ آخر الامر پتہ چل جاتا ہے کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ خدا کے قانون مکافات کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

یہ اس نظامِ ربوبیت کا ذکر ہے جس کا تعلق انسان کی طبعی زندگی سے ہے۔ اسی طرح وہ خدا کا نظام بھی ہے جس سے انسان کی "انسانی زندگی" کی نشوونما ہوتی ہے (یہ نظام وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے) طبعی زندگی کی نشوونما کا سلسلہ، موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن انسان کی "انسانی زندگی" کی نشوونما کا سلسلہ جو طبعی نشوونما سے کہیں بہتر ہے، آگے چلتا اور باقی رہتا ہے۔ اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے وہی لوگ بہرہ یاب ہوتے ہیں جو خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی محکمیت پر پورا پورا بھروسا رکھتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو ایسے جرائم سے مجتنب رہتے ہیں۔ جن سے انسانی ذات میں ضعف اور اضمحلال پیدا ہو جائے۔ یا جن سے طبیعت میں بخل اور بے حیائی کے انسانیت سوز رجحانات بیدار ہو جائیں۔ (ہاں کبھی بھول چوک سے کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہو جائے، جس پر وہ بعد میں خود نادم ہوں تو اور بات ہے۔ (۵۳/۳۲، ۴/۳۱) اور جب آپس میں کسی سے سہواً ایسی بات ہو جائے جس سے طبیعت میں طیش آجائے تو اس شخص سے درگذر کر دیتے ہیں۔ اسے نقصان نہیں پہنچاتے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہیں۔ نظامِ صلوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں۔ جو انہیں یہ سکھاتا ہے کہ تمام امور کے فیصلے قوانینِ خداوندی کی حدود میں رہتے ہوئے، باہمی مشاورت سے ہونے چاہئیں، اور جو سامانِ زیست انہیں حاصل ہو (اس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے رکھ کر، باقی) نوعِ انسان کی ربوبیتِ عامہ کیلئے کھلا رہنا چاہیئے۔"

یہ ہیں وہ خصوصیات جو ایک ممبر مجلس شوریٰ کی ہونی چاہئیں اور آخر میں ممبر شپ ہو جانے کے بعد فرائض کا مختصر سا خاکہ بھی دے دیا گیا۔ ان خصوصیات کی مزید تفصیل و تشریح اوراقِ قرآن میں پھیلی پڑی ہے۔

؎ ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو قرآں کے سپاروں میں

یہ لوٹ پھیر زمانہ اسی طرح اس کے ہاتھوں مقررہ قوانین کے تحت ہوتا رہتا ہے۔ خود انسان اگر چاہے تو اس کا موازنہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۰/۱۴)

"پھر تمہارے پیشروؤں کے بعد ہم نے زمامِ حکومت تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کا عمل کرتے ہو۔"

آخر میں سوال و جواب کے ذریعہ مختصراً گذشتہ تفصیل کا قدرے نچوڑ عرض ہے۔

سوال ۱ :- کیا اسلام میں کثیرالجماعتی نظام کی گنجائش موجود ہے؟

جواب :- نہیں ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد وحدت قانون پر ہے۔ توحید کا مقصد ہی یہ ہے کہ کائنات میں طبعی اور معاشرتی دوائر میں حاکمیت صرف اللہ تعالےٰ ہی کی مؤثر ہے۔ اگر کوئی طبعی دائرہ میں خدا کا قانون ماننے اور معاشرتی دنیا میں اپنا بنایا ہوا یا کسی کا مستعار لیا ہوا۔ یا خدا کے قانون کے خلاف اپنی ہوائے نفس کا اتباع کرے تو یہ اللہ تعالےٰ کی حاکمیت میں کسی کو شریک کرنے کے برابر ہے۔ اور مشرک کیلئے عذاب دنیا اور آخرت کا تعین کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جب قانون میں وحدت ہوگی تو مسلمان کبھی دو جماعتوں میں تقسیم نہ ہونگے۔ البتہ مجلس شوریٰ میں یا پارلیمان میں وہ قانون کے طریقۂ نفاذ میں اختلاف رکھ سکتے ہیں جو ہر معاملہ میں عارضی طور پر رُونما ہوگا اور ایک امر کے فیصلہ ہونے کے بعد سب کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ ایسے اختلاف کو جماعت بندی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وقتی طور پر کسی مسئلہ کے اختلاف سے تمام اچھے اور بُرے پہلو نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ جس کے لئے قرآن نے "دَرَسَتْ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی "چھانٹ"

سوال ۲ :- کیا اسلام میں بالغ رائے دہی کا تصور ہے؟

جواب :- نہیں ہے! امورِ مملکت کے فیصلے راسخونَ فی العلم اور اولی الالباب کا فریضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر بالغ نہ تو صاحبِ علم ہو سکتا ہے اور نہ ہی صاحبِ فہم و فراست اور نہ ہی یہ اہلیت رکھتا ہے کہ کون صاحبِ علم اور فہم و فراست کا مالک ہے۔ انتخاب کے لئے صاحبانِ فہم و فراست اور راسخونَ فی العلم سامنے آئیں گے بلکہ ان کو لایا جائے گا اور یہ ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی جائے گی۔ (وہ لوگ جو چاند تک سڑک بنانے کیلئے درخواست پر دستخط کریں وہ کیا کاروبارِ مملکت چلائیں گے)

سوال ۳ : کیا اسلام میں سیاسی اعتبار سے گروپ بندی جائز ہے؟

جواب : نہیں سیاسی گروپ بندی اُس وقت ہوتی ہے جب مختلف جماعتوں کا پروگرام مختلف ہوتا ہے۔ وہ اپنا اپنا منشور پیش کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے امت میں یکجہتی ختم ہو جاتی ہے جو آخر کار شرک پر منتج ہوتی ہے۔

چیست مِلت ایکہ گوئی لا الٰہ　　با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ
مردہ از یک نگاہی زندہ شو　　بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

قرآن کریم کا مقصد بنی نوعِ انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزادی دلانا ہے اور جب یہ نصب العین پوری امت کے سامنے ہوگا تو مختلف سیاسی یا مذہبی پارٹیوں کی ضرورت ہی نہ رہے گی کہ پارٹیوں میں انسان، انسان کا غلام ہو جاتا ہے اور یہی جہنم ہے۔

سوال ۴ : کیا اسلام میں منصب کے حصول کیلئے تگ و دو، کنویسنگ اور انتخابی مہم کی اجازت ہے ؟
جواب : اسلام کے متعلق کہا گیا ہے کہ :

ع یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

علامہ اقبالؒ کا وہ شعر بھی اس سلسلہ میں قابلِ غور ہے ۔ کہ

ع چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

امت کے معاملات کی ذمہ داری اٹھانا اس قدر لرزہ بر اندام کام ہے کہ اپنے آخری لمحات میں روائت کیمطابق ۔ حضرت عمرؓ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ کاش عمرؓ عمر نہ ہوتا یہ تنکا ہوتا ۔ تاکہ جوابدہی کے امتحان سے بچ بچ جاتا ۔ اب اس قدر مشکل ذمہ داری کو اٹھانے کیلئے اگر کوئی شخص تگ و دو کرتا ہے یا انتخابی مہم چلاتا ہے تو ظاہر ہے اس کی نیت صاف نہیں ۔ لہٰذا ایسا عمل نا جائز ہے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق روائت ہے کہ جب انہیں خلافت سونپی گئی تو وہ ذمہ داری کے احساس سے سر پیٹتے تھے ۔

البتہ حلقہ کے صاحبانِ فہم و فراست اپنی طرف سے کسی امیدوار کا نام پیش کر سکتے ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آخری لمحات میں گھر کی کھڑکی سے منہ باہر نکال کر لوگوں کو کہا کہ میں نے اس لفافہ میں اس شخص کا نام تجویز کر دیا ہے جو میرے بعد امت کا کاروبار سنبھالے ۔ اس کے بعد آپ خود مشورے سے فیصلہ کر لیں تو اس پر حضرت علیؓ نے بآوازِ بلند کہا کہ اگر اس لفافہ میں عمرؓ کا نام نہیں تو ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے ۔

سوال ۵ : کیا امیدوار اپنے آپ کو کسی منصب کیلئے پیش کر سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ؟
جواب : نہیں ! اس سوال کا جواب نمبر ۴ کے تحت آ چکا ہے ۔ اس قدر مشکل کام کے لئے جس میں ذرا سی کوتاہی اور غفلت سے عاقبت نا اندیشی کا شائبہ بھی نظر آئے وہ اپنے آپ کو کیسے پیش کر سکتا ہے ۔ کیونکہ جو بھی اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اس کی نیت پر شک کیا جا سکتا ہے ۔ وہ دراصل دولت کو INVEST کرنا چاہتا ہے اور مشکوک شخصیت کے مالک کو نا اہل قرار دینا جائز ہے ۔ لیکن ایسے شخص کو نا اہل قرار دینے والے کی اپنی شخصیت بھی شک و شبہ سے بالا ہونی چاہیئے ۔

سوال ۶ : کا جواب تقریباً نمبر ۵ میں آ گیا ہے !
سوال ۷ : ٹیکنیکل نوعیت کا سوال ہے ۔ جس کا تعلق جزئیات سے ہے !
سوال ۸ : یہ تو ہمارا سالہا سال کا تجربہ ہے ۔ ابلیس نے جس فساد کا ذکر کیا تھا ۔ پوری قوم انتخابات کے دوران اسی

فساد کی شکار ہوتی ہے۔ بھائیوں اور برادریوں کی دشمنیاں سالہا سال تک چلتی ہیں۔ پرانی ابھی ختم نہیں ہو پاتیں کہ نئی دشمنیوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ کئی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ اگر ان تمام واقعات اور ہٹر بونگ کو فساد نہ کہا جائے تو پھر چلیتِ شرحِ آئینہ لاتفسدو ق!

سوال ۹:۔ انتخابات کے دوران جن مذہبی، قبائلی، گروہی اور لسانی تعصبات کو ابھارا جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی کسی اسلامی تاویل کا پیش کرنا فقہ کے باب الحیل ہی کا سہارا ہوگا جو خود فریبی ہی ہو سکتی ہے۔ اسلام تو نوعِ انسانی میں ہر قسم کے تعصبات اور اختلافات کو مٹانے کا نام ہے۔ اس قسم کی نسبتیں تو صرف تعارف کیلئے ہیں۔ ایامِ جاہلیہ میں عربوں کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ اس قسم کے گروہی اور قبائلی اختلافات کو اتنی ہوا دیتے تھے کہ کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ قبیلہ بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان اس قسم کی بنیاد پر ایک صدی تک جنگ ہوتی رہی۔ اسلام نے آکر ان تمام اختلافات کو مٹا دیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسی عسکری کا دوسرے سپاہی سے جھگڑا ہو گیا تو اس نے اپنے قبیلہ والوں کو آواز دی "یا آلِ خبہ"۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اس عسکری کو قرار واقعی سزا دی گئی۔

سوال ۱۰:۔ خلیفہ، حاکمِ وقت یا آج کل کے تقاضوں کے پیشِ نظر اراکینِ پارلیمانی کی توثیق کا حق صرف اہلِ تقویٰ کو ہے۔

سوال ۱۱، ۱۲:۔ اگرچہ اس کا مفصل جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔ تاہم ایک مثال کے ذریعہ اپنی بات کو واضح کر سکوں گا۔ اگر تو مملکتِ پاکستان کا واحد فریضہ آلو کی کاشت ہو تو تمام ممبران کو آلو کی کاشت "بیج کی شناخت، فصل کی امراض اور انکی شناخت، اس کا علاج" نیز اس کی مارکیٹنگ کے متعلق بھی معلومات حاصل ہونی چاہئیں لیکن اگر ہمیں قوموں کی برادری میں ایک معزز رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہے تو اس کے لئے قرآن کریم میں راسخون فی العلم اور اولی الالباب کی اصطلاح موجود ہے۔ ایسے لوگ جو مختلف علوم میں دسترس رکھتے ہوں۔ حالاتِ حاضرہ اور علم کی موجودہ سطح سے کما حقہٗ واقف ہوں اور بین الاقوامی تعلقات کے بھی ماہر ہوں۔ جھوٹ بولے بغیر سیاستِ حاضرہ کا مقابلہ کر سکتے ہوں۔ اس بات پر بھی ایمان (یقینِ محکم) رکھتے ہوں کہ ع

تو عرب ہو یا عجم ہو، ترا لَا اِلٰہَ اِلَّا!
حرفِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

ایسے لوگ جو ملّت دوست اور انسانیت کے بہی خواہ ہوں۔ نیز اسلامی اصول و احکام کو بھی سمجھتے ہوں اور انہیں نافذ کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں۔

لیکن کیا کیا جائے اس اسلامی سلطنت کا! جہاں آئینی طور پر ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو۔ جہاں دین کو سرکاری مذہب قرار دے دیا جائے۔ وہاں دین بشکل ملّاتی لونڈی بن کر رہ جاتا ہے۔

سوال ۱۳: یہاں پہلے تقوےٰ کے معنی جاننا ضروری ہے۔ عربی میں تقویٰ کا مطلب ہے قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈر کر اس سے اجتناب کرنا۔ اس مفہوم میں دیانت، امانت، صداقت سبھی کچھ آجاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ خلافت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ پوچھا جائے گا۔ کہ کہاں سے لیا تھا اور کہاں خرچ کیا؟ لہٰذا صاحبانِ اقتدار کا اہلِ تقویٰ ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اور "کسی حد تک علم" کی ترکیب نامناسب ہے۔ اسے اپنے منصب کے متعلق علوم پر پوری دسترس ہونی چاہیئے۔

سوال ۱۴: قرآنی تعلیمات کے مطابق جمہور کو یہ حق حاصل ہے کہ حکومت کے کسی بڑے سے بڑے یا چھوٹے سے چھوٹے کارندے یا اسمبلی کے رکن کے متعلق انکوائری کا مطالبہ کریں۔ حضرت عمرؓ کی چادر کا معاملہ اس ضمن میں مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

سوال ۱۵ تا ۱۸: اگر ایک شخص اپنے آپ کو پیش نہیں کرسکتا تو مصارف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مصارف اس لئے کرتا ہے کہ دس کے بدلے دس لاکھ ملیں۔ یہ تو کاروبار ہوا۔ پھر ایسا کاروبار جس میں منافع کا تعین ہی ناممکن ہے۔ کتنی بھلی خدمت ہے انسانیت کی۔ اسلام کی۔ ملت کی اور اپنے آپ کی؟ جانچ پڑتال کاغذات کی نہیں ہونی چاہیئے۔ جانچ پڑتال "خادم قوم" کی ہونی چاہیئے۔ اور اس جانچ پڑتال کیلئے جب تک علمی معیار نہیں رکھا جائے گا۔ ہم سب اسی طرح آئیں گے اور اپنی آنے والی پشتوں کے لئے دولت کے ساتھ ساتھ خطابات بشکل "وزیر زادہ" "نوابزادہ" "خانزادہ" اور "شیر زادہ" کما کر چلتے رہینگے۔

یہاں میں الیکشن کمیشن کی طرف سے کسی امیدوار صوبائی اسمبلی یا قومی اسمبلی کے مضحکہ خیز کاغذاتِ نامزدگی کا حوالہ دینا بھی مناسب سمجھونگا۔ مضحکہ خیز اس لئے کہ اگر آپ تکلیف فرمائیں اور کاغذاتِ نامزدگی کے فارم پر ایک نظر ڈالیں۔ تو آپ کی حیرانی کی انتہا یقیناً نہیں رہے گی کہ کسی بھی امیدوار کے تجویز کنندہ اور تائید کنندہ کے لئے دستخط کرنا ضروری ہے۔ شاید ان کا نشانِ انگشت ضروری نہیں۔ یعنی دونوں پڑھے لکھے ہوں لیکن بھلے! امیدوار نشانِ انگشت لگا سکے یا اگر "بقلم خود" ہو تو دستخط کرسکے! یا للعجب!

انتہائی ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ میری ایک گزارش اوپر گزر چکی ہے کہ چند لمحوں کیلئے اگر یہ فرض کیا جائے کہ قرآنِ کریم گذشتہ روز نازل ہوا ہے کیونکہ عرب کا وہی پرانا ماحول ہے۔ اور ہم اپنے مسائل کا حل اس کتاب لاریب یعنی قرآنِ کریم سے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ تو اب اتنا اور عرض کردوں کہ وہ لمحات پورے ہوگئے۔ بس آئیے! قرآنِ کریم کو بند کریں اور اسی پرانی روش اور گہما گہمی میں کھو جائیں کہ قرآنِ کریم "مہجور" ہے جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

محمد ارشاد

قرآن، مرکز اور صوبائیت

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عرصہ دراز کے بعد جماعتی بنیادوں پر الیکشن ہوئے۔ جن میں پیپلز پارٹی کو واضح اکثریت نہ ملنے پر مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

آج پاکستان کا ہر بہی خواہ موجودہ سیاسی چپقلش اور مرکزی و صوبائی محاذ آرائی سے نالاں ہے۔ آئیے اس پر قرآنِ کریم کی روشنی میں غور فرمائیں!

۱۔ احترامِ آدمیّت

قرآن کی دی ہوئی مستقل قدر ہے جس سے سرمو تجاوز بھی قرآن کو جھٹلانے کے برابر ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں پارٹیاں (پیپلز پارٹی اور آئی جے آئی) اس قدر کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اس قدر کو اگر ممبرانِ اسمبلی کے حلف نامہ میں شامل کر لیا جائے اور حلف لیتے وقت وہ اس بات کا اقرار کریں کہ سیاسی اختلافات میں احترامِ آدمیّت کو بہر طور ملحوظ رکھا جائے گا تو ہو سکتا ہے اس قسم کی دلخراش صورتِ حال کا اعادہ نہ ہو۔

درحقیقت احترامِ آدمیّت کا یہ وہ درسِ عظیم ہے جو قرآن کی بارگاہ سے مستقل اقدار کی حفاظت کے سلسلے میں ہمیں ملتا ہے۔ صرف "احترامِ آدمیّت" کے نفاذ سے ہی موجودہ چپقلش کو کافی حد تک ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

۲۔ صدقِ مقال

جھوٹ بولنے والوں پر قرآنِ کریم میں لعنت کے لفظ تک کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مسلمانی کی ایک مستقل قدر ہے کہ سچ بولا جائے۔ جان و مال کو خطرے میں ڈال کر سچ بولنا شیوۂ مسلمانی اور جرأت مندانہ مومنانہ زندگی ہے۔ ایسی ہی زندگی سے کافر و مومن میں تفریق پیدا ہوتی ہے۔ کافرانہ زندگی

میں نظریۂ ضرورت ہر آن مفاد دیتا ہے لیکن مومن کو سپاہیانہ سچی زندگی نقصان دیتی ہے۔ جان، مال اور اولاد کے لالے پڑ جاتے ہیں پھر بھی وہ سچ کا دامن تھامے رہتا ہے۔ کافروں نے مسلمانوں پر کون کون سے مظالم نہ ڈھائے۔ شعب ابی طالب کا واقعہ اور ہجرت سب سچائی کی تصویریں ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ سیاسی محاذ آرائی میں ممبرانِ اسمبلی ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں بازی لے جانے کے عزائم سے میدان میں آتے ہیں۔ اور ہر ممکن جھوٹی مہم سے میدان مارنے کے درپئے ہوتے ہیں۔ یہ مسلمان ممبران اسمبلی کی زندگی پر غیر مومنانہ سیاست کا داغ ہے۔ اس داغ کو دھو کر ہی پاکستان کی سیاست کو پاک وصاف کیا جا سکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ حلف کے موقع پر ان کو اس پر پابند کیا جائے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔

اس سے آگے بڑھ کر میرا خیال ہے۔ اسمبلی کے ممبران پر مشتمل ایک سٹینڈنگ کمیٹی بنائی جائے جس کا نام "احترامِ آدمیت اور صدقِ مقال ہو۔ یہ سٹینڈنگ کمیٹی تمام ممبرانِ اسمبلی کے بیانات کا جائزہ لیتی رہے اور ان کو متوجہ کرتی رہی کہ جناب آپ احترامِ آدمیت کو مجروح کر رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں اور اس طرح ان کو وارننگ دی جاتی رہے تو مرکز اور صوبوں کی موجودہ محاذ آرائی کو کافی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔

کاش وہ دن بھی آجائے۔ جب ہم مستقل اقدارِ حیات کے جیتے جاگتے مجسمے بن کر اقوامِ عالم کو دکھا سکیں کہ یہ ہے قرآن کی سیاست جس پر مستقل اقدار کی پابندی ہے۔ اور یہی زندگی مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔

مملکتِ پاکستان

میں نام تیرا، کلام تیرا، تجھی سے قائم دوام میرا
قرآں تھا میری اساس لیکن دلوں سے اب وہ مٹی ہوئی ہے
مجھے تو سب نے ہی لوٹا توڑا، مجھے کسی نے نہ دیں سے جوڑا
"یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات "پھر بھی" بنی ہوئی ہے"

بیادِ سرسیدؒ

سرسیدؒ کی نمود

سرسید کوئی مامور من اللہ نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے اس قسم کا کوئی دعویٰ کیا۔ وہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا۔ عام انسانوں کی زندگی جیا لیکن کام وہ کر گیا جس نے ایک دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جب مولانا حالیؔ نے سرسید کے سوانح حیات مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو سرسید سے اس کی زندگی کے متعلق پوچھا۔ اس کے جواب میں سرسید نے جو کچھ کہا وہ اس کی بلندیٔ کردار کی زندہ شہادت ہے۔ اس نے کہا:

"میری لائف میں اس کے سوا کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں کنکوے اڑائے کبوتر پالے، ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری کافر اور بے دین کہلائے اور رکھا ہی کیا ہے! "

سرسیدؒ کی دعا

"اے خدا ہم میں روز بروز علم کی کمی اور جہالت کی تاریکی کی ترقی ہوتی جاتی تھی تُو نے ہمارے دلوں کو پھیرا کہ ہم علم کی روشنی پھیلانے پر مستعد ہوئے۔ بیشک سب کے دل تیری انگلیوں میں ہیں جس طرف تُو چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ ہم سب تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تُو نے ہمارے دلوں کو ایسے کاموں کی طرف پھیرا جو نہ صرف ہمارے ہی لئے مفید ہیں بلکہ ہمارے بعد جو بہت سی نسلیں آنے والی ہیں ان کیلئے بھی روشنی ہے ....

اے خدا! تو خوب جانتا ہے کہ یہ مدرسہ جس کا پتھر آج ہم نے تیرے نام پر رکھا ہے۔ تیری مخلوق کے فائدے کے لئے رکھا ہے تو اپنے فضل سے اپنے نام پر اسے قبول فرما اور جیسا کہ تُو نے خوبی سے اس کا آغاز کیا ہے اسی طرح بخیر اس کا انجام کر!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ!

فتووں کا جواب

ہم کو ملحد، زندیق اور لامذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری قوم نے خدائے ذوالجلال کے سوا باپ دادا کے رسم و رواج کو، اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے۔ اور پیغمبر آخرالزماں محمد رسول اللہ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کئے ہیں۔ کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی بنی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے۔ اور ہم اس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسا ہی برباد کرنے والے ہیں جیسے ہمارے جدِ امجد ابراہیمؑ اپنے باپ آذر کے بُت توڑنے والے تھے۔ ہم سچے خدائے ذوالجلال اور سچے پیغمبر محمدؐ رسول اللہ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہم کو ملحد و زندیق و لامذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں کیونکہ ہم ان کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے۔

طلباء سے خطاب

یاد رکھو! سب سے سچا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس پر یقین رکھنے کی بدولت ہماری قوم ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر اگر تم آسمان کے ستارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں کے نمونے ہو گے اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہوگی۔

(علامہ غلام احمد پرویزؒ کے خطاب سے ماخوذ)

اگلے شمارہ میں پڑھیئے!

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی ہندو نوازی

سیاسی فرقہ بندی کی آشیرباد دربارِ نبویؐ سے؟

روبینہ صادق

خطاب: بسلسلہ گولڈن جوبلی قرار دادِ پاکستان (واپڈا آڈیٹوریم لاہور)

منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی!

جناب صدر و حاضرینِ محترم!

آج میں اپنی خوش نصیبی پر جس قدر نازاں اور مفتخر ہوں، شاید ہی کوئی اس روئے زمین پر ہوگا۔ اس بزمِ دانشِ فرقانی میں شرکت اور اس مسندِ قرآنی سے گفتگو کی سعادت رحمتِ ربّانی سے کم تو نہیں ہے۔

اگرچہ درس و تدریس میرا پیشہ ہے لیکن میں خود، قرآن حکیم کی ادنیٰ سی طالبہ ہوں۔ میرے اس مضمون میں نہ تو عالمانہ نکات ہیں اور نہ مفکرانہ اندازِ تحریر۔

ہنر مندی کے اپنے تقاضے اور اپنے آداب ہوتے ہیں لیکن جذبوں کی بھی اپنی زبان اور اپنا اظہار ہوتا ہے۔ میں دُور دراز کے ایک پہاڑی گاؤں میں رہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے ننانوے فی صد لوگوں نے اس جگہ کا نام تک نہیں سُنا ہو گا۔ "کالی مٹی" کہتے ہیں اُسے۔ کل تک یہ نام مجھے عجیب سا لگتا تھا۔ کالی زبان، کالا دل، کالا بازار، کالا دھندا اور ایسی جیسے بہت سے الفاظ سُنے ہوئے تھے، لیکن دھرتی یا مسکن بھی کالا ہو سکتا ہے؟ اس سوچ کا جواب کہیں سے نہیں ملتا تھا — دیہات کی ایک اپنی دنیا، اپنا معاشرہ اور اپنے قوانین و رواج ہوتے ہیں — عورت تو خیر دُور کی بات ہے، وہاں کے مرد بھی ذہنی طور پر شہری لوگوں سے اس لئے مختلف ہوتے ہیں کہ ان کی جڑیں اسی دیہاتی معاشرے اور قوانین کی سرزمین میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ ان سے کٹ نہیں سکتے۔ اس لئے جو بھی ان سے کٹنے کی کوشش کرتا ہے، کاٹ دیا جاتا ہے۔ کسی کے لئے بھی یہ اندازہ کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ ایسے ماحول کی کوئی لڑکی — اپنے شعور کے ساتھ، زندگی بسر کرنا چاہے تو سفرِ زندگی کے ایک ایک قدم پر، کیسے کیسے پُل صراط اُسے ملتے ہیں اور ایک ایک سانس کے ساتھ کتنی کتنی مرتبہ اسے مرنا پڑتا ہے

دیا شعور تو کیا کیا قیامتیں دے دیں
الٰہی تیرا کرم بھی —— تو اک سزا ہے مجھے

سوچئے کہ یہ شعور اگر قرآنی شعور سے بھی ہم آہنگ ہو جائے تو حالت کیا کچھ نہ ہوئی ہو گی۔ اس حالت سے گزری —— تو وہ شخص بہت یاد آیا جس نے اس علاقہ کا نام "کالی مٹی" رکھا تھا — قرآنی فہم کی چند کرنیں مجھ تک پہنچیں تو ساری دنیا مجھے "کالی مٹی" نظر آنے لگی۔ کفر اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی اور عقل کی بھول بھلیوں میں بھٹکی ہوئی دھرتی —— نہ جانے کیوں پھر میرا جی چاہا کہ دنیا اور اپنے مسکن پاکستان کو پاکستان نہ کہوں —— "کالی مٹی" نام رکھ دوں کہ اس کائنات کی صرف دو ہی سچائیاں ہیں ایک نور اور دوسری تاریکی۔ کہنے کو تو، انسان ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور علم کی روشنی میں سانس لے رہا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ روشنی چھلاوا ہے۔ انسان بے شک روشنی میں ہے لیکن عقل اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے اور روشنی میں آنے کے لئے بے تاب ہے۔

بھٹک رہی ہے نظر روشنی کے صحرا میں
خرد کو راہ دکھاؤ، بڑا اندھیرا ہے !

روشنی میں نظر بھٹک رہی ہے؟! اُجالے میں اندھیرا ہے؟! یہ کیفیت افراد کی بھی ہے اور قوموں کی بھی، آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کل تک اقبالؒ کا یہ شعر میرے ہی دل کا ترجمان ہوا کرتا تھا۔

بھٹکا ہوا راہی میں - بھٹکا ہوا راہی تُو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی

پہروں خود سے یہی سوال کرتی تھی۔ یہی پوچھتی تھی —— لگتا تھا —— سب میں ہوں اور تنہا ہوں، سب کچھ ہے اور مفلس ہوں، مکمل ہوں اور بے مقصد ہوں۔ اُس لالۂ صحرا کی طرح جو غلط مقام پر ہوتا ہے اور تنہا ہوتا ہے —— قرآنی بصیرت کا آغاز ہوا تو جانا کہ غلط مقام پر ہونا ہی درحقیقت حُزن ہے۔ خوف ہے۔ پشیمانی ہے۔ تنہائی ہے۔ کفر اور تاریکی ہے۔ بلکہ قرآن کی اصطلاح میں ظلم ہے اور ظلم کے تو بنیادی معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ "جس شے یا جس شخص کو جس جگہ ہونا چاہیئے اُسے وہاں نہ رکھنا" قرآن بتاتا ہے کہ ظلم سے قوموں کی جڑیں، اس طرح کٹ جاتی ہیں کہ لوگ اُن کی تباہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں (6/45)

آج ساری دنیا بے چین ہے۔ بدامنی کا شکار ہے۔ وحشت و درندگی۔ قتل و غارت۔ مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، نفسا نفسی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ سکونِ دل ہی نہیں، سکونِ حیات بھی درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے ـــــ ہم تہذیب کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں اور جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں ـــ کل جانور کو دیکھ کر ڈر لگتا تھا آج انسان کو دیکھ کر خوف طاری ہوتا ہے۔ نہ عزتیں محفوظ ہیں۔ نہ مال و متاع اور نہ زندگی ـــ یورپ ہو یا ایشیا ـــ افریقہ ہو یا تیسری دنیا کا کوئی مُلک، سب جگہ ایک جیسی افراتفری ہے۔ ایک جیسی حالت ہے۔ ایک جیسا خوف ہے۔ اپنے مُلک پاکستان کو ہی دیکھ لیجئے۔ آئینی طور پر یہ ایک اسلامی جمہوریہ ہے۔ جہاں کے دس کروڑ عوام، قرآن پر ایمانِ کامل کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اور قرآن کی رُو سے آپس میں بھائی بھائی اور اُمّتِ واحدہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ایک کا دکھ، دوسرے کا دکھ ہو۔ ایک فرد مومن ابتلاء آزمائش سے گزرے تو ساری اُمّت اس کا دست و بازو نظر آئے لیکن عملاً ہم ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں، مار رہے ہیں۔ کھا رہے ہیں۔ سندھ جل رہا ہے۔ بلوچستان سُلگ رہا ہے۔ پنجاب بلک رہا ہے اور سرحد چیخ رہا ہے ـــ سگے بہن بھائی کی خوشی چبھنے لگی ہے۔ کوئی ہنسے تو غصہ آتا ہے کوئی روئے تو اندر کا کوئی جذبہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ دائیں بائیں تباہی اور بربادی کے مناظر بکھرے پڑے ہیں۔ لیکن

کس کو فرصت ہے اِدھر آنکھ اٹھا کر دیکھے
لاکھ برباد ہوئے مرتا پھرے اپنا کوئی

چشمِ عالم نے بے حسی کی یہ کیفیت پہلے کہاں دیکھی ہوگی۔؟!!

جو ہوتی بے حسی طاری تو کچھ ملال نہ تھا
غضب تو یہ ہوا ـــ راس آئی بے حسی ہم کو

جب قوموں کو بے حسی راس آجائے اور وہ بے حرکت ہو جائیں تو قانونِ فطرت کی رُو سے صفحہ ہستی سے مٹ جایا کرتی ہیں۔ کوئی نام لیوا بھی نہیں رہتا اُن کا ـــ بھری پڑی ہے تاریخ، قوموں کے عروج و زوال کی ان داستانوں سے ـــ اور لاکھ قومیں تو ایسی بھی گزری ہیں۔ جن کا نام اور نشان تک کسی تاریخ کی زبان پر نہیں ہے ـــ آخر کیا کیا تھا انہوں نے۔؟ کیا قصور تھا ان کا؟ دیکھو تو حیرت ہوتی ہے ـــ صرف ایک جُرم اپنی حد سے بڑھتا تھا اور قہر خداوندی اُن کی جڑ بنیاد کو جلا کر راکھ کر دیا کرتا تھا ـــ کوئی قوم کم تولتی تھی اور عذابِ الٰہی کی زد میں آگئی۔

کہیں سود عام ہو گیا تھا اور اللہ کا غضب نازل ہو گیا۔ کہیں جنسی بے راہروی بڑھ گئی تھی اور قوم فنا ہو گئی۔ کہیں دوسروں کی محنت پر لوگ عیش کرنے لگے تھے اور مکافاتِ عمل کی چکی نے پیس کر رکھ دیا۔ کہیں جھوٹ، مکر و فریب عام ہو گیا تھا اور تاریخ نے اُن کا نام تک اپنے صفحات سے نکال کر پھینک دیا۔ کسی نے انسانیت کی تذلیل کو شعار بنا لیا تھا اور خود قعرِ ذلت میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی ——
آج پچھلی امتوں اور ہلاک شدہ قوموں کی ساری برائیاں اور سارے جرائم ہمارا قومی مزاج اور روزمرّہ کا معمول بن چکے ہیں —— لگتا ہے عذابِ الٰہی آیا کہ آیا —— مگر

یہ کیسی نیند ہے لوگو کہ جاگتے ہی نہیں
اجل بدوش قیامت تو سر پہ آ بھی چکی

وقت کے صحرا میں ہماری مثال لالۂ صحرا کی ضرور ہے لیکن ہم منزل کی جستجو ہی کرتے رہے اور مہلت کا وقفہ ختم ہو گیا تو کہاں کی تلاش اور کیسی منزل ؟ !

دل کی آنکھیں جو کھلی ہوں تو بھٹکنا کیسا ؟
منزلیں سامنے ہیں —— راہ دکھائیں کس کو ؟

جاگتے کو جگایا نہیں جا سکتا۔ ہم منزل پر کھڑے ہیں اور منزل منزل پکار رہے ہیں —— دو افیمی تھے نشہ میں دُھت، بیری کے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ ایک افیمی کے سینے پر بیر آ کر گرا اس نے قریب لیٹے ہوئے ساتھی سے درخواست کی " یار یہ بیر اُٹھا کر میرے مُنہ میں توڈال دے " ساتھی نے حقارت سے کہا " کیوں کل جب کتا میرا منہ چاٹ رہا تھا تو تو نے " ہشت " کیا تھا ؟ " معاف فرمائیے کیا یہی کیفیت اِس وقت ہماری نہیں ہو چکی ؟ ! تیرہ سو سال کے بعد لالۂ صحرا کو منزل نہیں ملی ؟ ! کیا آج ہم اپنی منزل پہ نہیں ہیں -؟ ہمارے محترم بزرگوں نے قائداعظمؒ کی قیادت میں ملّت اسلامیہ کو ایک مرکز پہ اکٹھا کرنے اور اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مملکت کا مطالبہ کیا اور یہ مملکت اللہ کی طرف سے عطا کر دی گئی —— کیا یہ لالۂ صحرا کی منزل مقصود نہیں تھی ؟ جو پاکستان کی شکل میں ہمارے سامنے ہے -؟ ! یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ ہم نے وہ سلوک کیا جس کی مثال چشمِ فلک نے نہ دیکھی ہو گی ؟ نشۂ آزادی میں دُھت ہو کر ہم تو اپنے آپ سے بھی گزر گئے۔ بائیس سال کے مختصر سے عرصے میں دشمن ہمارا آدھا ملک کھا گیا ہم ایک دوسرے کو یہی الزام دیتے رہے " کل تو نے " ہشت " کیا تھا جو میں پرواہ کروں ؟ ! ! بقیہ آدھے ملک میں جس کے جو ہاتھ لگا، لے اڑا۔

وطن کو لوٹتے کھاتے رہے، وطن والے
ہمارے پاس کفن بھی نہیں بچا یارو

اب ہم بھیک اور قرض کی زندگی گزار رہے ہیں اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ پڑوسی ملک میں سینکڑوں مسلمان بھائی جس روز ذبح ہو رہے تھے اُس روز ہمارے کھلاڑی اُس سرزمین پر "شاندار" کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ایران، عراق جنگ میں کئی نسلیں نیست و نابود ہو گئیں، نصف کروڑ افغان مسلمان بھائی ملک بدر، بے گھر بے در ہو گئے۔ گیارہ لاکھ افغان مجاہد شہید کر دیئے گئے۔ کئی لاکھ فلسطینی سر چھپانے کے لئے سہارا ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ تین لاکھ سے زیادہ بہاری مسلم بھائی اٹھارہ سال سے کیمپوں میں بند، اذیت ناک زندگی گزار رہے ہیں اور اُن کا مجرم صرف یہ ہے کہ وہ دل سے پاکستانی ہیں۔ راتوں رات مُلک کے غداروں نے اُن کی نیشنلٹی زبردستی تبدیل کر دی لیکن انہوں نے کہا "ہماری پہچان کل بھی پاکستان تھا اور مرتے دم تک پاکستان رہے گا۔" آج تک "بنگلہ دیشی" کہلانا انہوں نے گوارا نہیں کیا اور آج تک ہم نے بھی انہیں معاف نہیں کیا کہ جب ہم خود ہی اس ملک کے بہی خواہ نہ رہے تو تم کیوں اس کی محبت میں مرے جا رہے ہو۔ بلا سے دُنیائے اسلام پر قیامتیں ٹوٹ پڑیں، دشمن کشمیر پر قبضہ کر لے، اسیاچین، جہاں کل تک ہماری کرنسی چلتی تھی اور ہمارا جھنڈا لہراتا تھا اُسے کوئی ہڑپ کر لے، ملک ٹوٹ جائے — صوبوں کا بھوت مرکز کو چمٹ جائے یا مرکز کا ہاتھی صوبوں کو روند ڈالے۔ ہمیں گیمز چاہئیں۔ لاکھوں روپے کے ہزاروں انعامات چاہئیں — تیز میوزک چاہیئے۔ عیش و تفریح کے وسیلے چاہئیں۔ — کسی صورت سے بھی آئے مگر دولت اور سٹیٹس آجائے — ملک کی غیرت بک جائے، قوم نیلام ہو جائے مگر ہمارا گھر بھر جائے۔ ع

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اُٹھئے — کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کا باب ابھی کھلا ہوا ہے۔ مہلت کی چند سانسیں ابھی باقی ہیں۔ جو عمر گذر گئی، گذر گئی۔ جو بیت گیا، بیت گیا — ماضی کی گرد کو دامن سے جھاڑ دیجئے اور اب بھی قرآن کی طرف لوٹ آیئے۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ نئی نسل کا دل، آپ کی قرآنی تقلید میں سینے سے باہر آنے کے لئے بے تاب ہے۔ بس ایک جراَتِ بے باکانہ اور ایک عزمِ مومنانہ کی ضرورت ہے۔ پھر دیکھئے کہ یہ "کالی مٹی"، اللہ کے نور سے کس طرح روشن و منوّر ہوتی ہے۔

اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ آخر ہم کریں کیا؟ سارا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے۔ اکیلا انسان کر ہی کیا سکتا

ہے ؟ اور اگر کچھ کرنا بھی چاہے تو حالات اُسے کرنے نہیں دیتے — لیکن ذرا غور کیجئے یہ تو بہانے ہیں۔عمل سے گریز کی راہیں ہیں — یاد کیجئے اور سوچئے۔ رسولؐ کی دعوت ایمانی پر لبیک کہنے والا "پہلا مومن" کیا "لالۂ صحرا" کی طرح نہیں ہوتا تھا ؟ ؟ یکتا و تنہا — ہر طرف گناہوں اور جُرموں کی گندگی کے ڈھیر — کفر و حقارت کی یلغار، مخالفتوں کا ہجوم۔ روشِ اسلاف کے بہائم، نفرتوں کا سیلاب، برادری اور معاشرہ کا بائیکاٹ — ایسی حالت میں آخر وہ مومن بھی تو کچھ کرتا ہی ہوگا نا — ؟ ؟ ع

ہاں اگر بھول گئے ہو تو تمہیں بتلا دوں۔

کرتا یہ تھا کہ جو باتیں اُس کے اختیار میں ہوتی تھیں وہ اپنی زندگی پر نافذ کرتا چلا جاتا تھا اور جو اُس کے اختیار سے باہر تھا اُس کے لئے جدّ و جُہد کرتا تھا — ہم بھی کم از کم وہ کام تو کر سکتے ہیں۔جس میں نہ کوئی قانون مخل ہو اور نہ حالات مانع ہوں اور وہ عین اتباع قرآن بھی ہو۔ مثلاً۔ میں سورتوں کے ساتھ قرآنی مفہوم اپنے لفظوں میں پیش کرتی ہوں۔

- جب کوئی کسی کے خلاف بات کرے تو پہلا ردّ عمل یہ ہو کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ بہتان ہے نہ اس کا یقین کریں اور نہ اُسے آگے پھیلائیں۔ (۲۴/۱۲، ۲۴/۱۶، ۲۴/۱۹)
- دوسروں کی ٹوہ نہ لیں اور خواہ مخواہ کی کرید نہ لگائیں۔ (۴۹/۱۱)
- جس معاملے کی تحقیق نہ کر لیں اُس کے پیچھے نہ لگیں کہ آنکھ، دل، کان غرض ہر عضو سے پوچھا جائے گا کہ آیا ہم نے ان سے کام لے کر اس معاملے کی تحقیق کر لی تھی ؟ یا نہیں (۱۷/۳۶)
- کسی کی پیٹھ پیچھے یعنی غیر موجودگی میں اُس کے خلاف بات نہ کریں۔ ایک دوسرے کی غیبت سے بچیں۔ ۴۹/۱۲
- کسی دوسرے کا تمسخر نہ اڑائیں اور آپس میں ایک دوسرے پر الزام لگانے سے بچیں۔ (۴۹/۱۱)
- مومن ایک دوسرے کے لئے قلبی سکون اور مسرت کا باعث ہوتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو اذیت نہ دیں۔ (۳۳/۵۸)
- چھچھورے پن سے بچیں۔ بے جا تکبّر سے اور دوسروں سے ترش روئی سے پیش نہ آئیں۔ (۳۱/۱۸)
- اپنی آواز کو نیچا رکھیں۔ چلّا چلّا کر مت بولا کریں۔ (۳۱/۱۹)
- ہمیشہ دو ٹوک صاف اور سیدھی بات کریں۔ (۳۳/۷۰)
- گندے لٹریچر سے بچیں اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جائیں۔ (۶/۱۵۲)

- وہ بات کبھی منہ سے نہ ادا کریں جس پر عمل نہ کر سکیں۔ (۶۱/۲)
- وعدہ کریں تو ہر قیمت پر پورا کریں۔ (۱۷/۳۴)
- اور سب سے اہم یہ کہ آج ہی سے فرقہ بندی سے آزاد ہو جائیں کہ فرقہ بندی شرک سے بھی بدتر ہوتی ہے —— ہمیں صرف اور صرف اللہ کے قانون کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا چاہیئے۔ اور انسانوں کی بنائی ہوئی روایتوں، فرقوں اور گروہوں سے خود کو چھڑا لینا چاہیئے۔ (۳/۱۰۳)

یوں تو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے ہدایتوں کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ان چھوٹی چھوٹی چند باتوں پر ہی عمل پیرا ہو گئے اور اپنی آئندہ نسل کی گھٹی میں انہیں داخل کر دیا تو ہماری مومنانہ منزل، خود کھنچ کر ہم سے آ لگے گی اور دنیا و آخرت دونوں ہی اتباعِ وحی کی کرنوں سے جگمگا اٹھیں گے —— شکریہ

بزمِ طلوعِ اسلام لاہور

لائبریری

طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات کے علاوہ

- علامہ غلام احمد پرویزؒ کے درس ہائے قرآن اور خطابات کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ دستیاب ہیں۔
- لائبریری کی خدمات بلا معاوضہ ہیں۔
- بطور سیکورٹی کتب اور کیسٹ کی قیمت جمع کرانی ہوگی۔

—— لائبریرین

محترم قاضی وقار حسن صاحب کا مقالہ جو قلتِ وقت کے باعث سیمینار میں پڑھا نہ جا سکا۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی

صاحبِ صدر!

___ حقیقت کیا ہے ___ حقیقت جاننے کا معیار کیا ہے ___ وحیِ خداوندی اس کی نشاندہی کیسے کرتی ہے۔ ___ وحی کے نزول کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی ___ وحی کے اصول اپنانے سے کیسے شاندار نتائج برآمد ہو گئے اور بعد میں وحی کے ان غیر متبدل اصولوں کے ساتھ کیا سازش ہوئی ___ آج اسلام کی کیا حالت ہے۔ میں تاریخی وجوہ پر بحث نہیں کرتا۔ آج کی سنجیدہ اور علمی محفل کے اہلِ بصیرت احباب اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ صرف اس سوچ پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو حقیقت کو خرافات میں اُلجھائے رکھنے کا باعث ہے

سب سے پہلے میں اس حقیقت کے بارے میں بیان کروں گا جس کے متعلق جدید اہلِ علم کو اختلاف ہے۔ قرآنِ مجید کی بیان کردہ حقیقتوں کو جس طرح انیسویں اور بیسویں صدی میں سر سید احمد خانؒ، علامہ محمد اقبالؒ اور علامہ پرویزؒ سامنے لائے تو ہر طرف ایک شور سا مچ گیا۔ ان شخصیات کی علمی، سیاسی اور سماجی خدمات کا اعتراف کرنے کے بعد بھی یہ کہا گیا کہ ان کے مذہبی عقائد اسلام سے مطابقت نہیں رکھتے۔ میں یہاں پر صرف راسخ العقیدہ علماء کی بات نہیں کر رہا بلکہ ان حضرات کی بھی بات کر رہا ہوں جو اپنے آپ کو دانشور کہتے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ ان شخصیات نے دورِ حاضر کے تصورات اور علومِ جدیدہ کو قرآنی اصطلاحات کا رنگ دے کر عجیب و غریب کوشش کی ہے۔ پھر یہ دلیل دیتے ہیں کہ انہوں نے اصولی، عبادات اور اخلاقیات کے احکام کی بجائے غیر ضروری اور فروعی مذہبی عقائد کو عقلیت کے ترازو میں تولنے کی کوشش کی ہے۔

یعنی بجائے اس کے قرآنِ مجید کو زمانے کی علمی سطح کے مطابق اور زمانۂ نزولِ قرآن کے محاورۂ عرب کی رُو سے سمجھا جائے لیکن نہیں علم و عقل کی رُو سے تو قرآن کو سمجھنا ہی غلط ہے۔ ماضی میں جن حکماء نے قدیم علوم سے استفادہ کر کے قرآن کی طرف رجوع کیا وہ بھی حرفِ ملامت ٹھہرے۔ ابوحنیفہ، واصل بن عطا، الغزالی اس کے رفقاء، فارابی، ابن مسکویہ، بوعلی سینا، الکندی اور وہ حکماء جن کی تالیفات کی وجہ سے آج مغرب سائنس کی دنیا میں گھوڑے دوڑا رہا ہے ان پر بھی کفر کے فتوے لگے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے علماء قرآن کو علم اور تحقیقات کی رُو سے سمجھنا ہی نہیں چاہتے بلکہ زمانۂ قبل از مسیح کے تصوّرات اور عقائد کی روشنی میں قرآن کو دیکھتے ہیں۔ وہ قدیم تصوّرات جو مشرقِ وسطیٰ اور وسط ایشیاء کے قدیم باشندوں کے تھے اور عقائد کی شکل میں نسل در نسل آج تک چلے آتے ہیں۔ یہ اسی علاقے کے باشندے تھے جو بعد میں مُلک فارس کہلایا۔

آج آپ ہندوؤں کے عقائد اور مذہب جاننا چاہیں تو آپ کو آریا کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ یہ آریا کون تھے، قدیم باشندے جو اسی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب و عجم کا تو شمار ہی، خیر اسی علاقے میں ہوتا ہے۔ یورپ کے فلسفہ مابعد الطبعیات جاننا چاہیں تو قدیم یونانیوں کے ضمن میں بھی آپ کو فارس ہی آنا ہوگا جہاں سے PHONICIANS اپنے بحری جہاز لے کر یونان جاتے اور ساتھ میں ایران کے مابعد الطبیعاتی رجحانات بھی لیتے جاتے اور بعد میں سکندرِ اعظم نے بھی اسی جگہ کو اپنا مرکز بنا لیا گویا یونانیوں پر اس کے نقش ثابت ہو گئے۔

صاحبِ صدر! یہ مُلک فارس کے مابعد الطبیعاتی رجحانات ہی تھے جنہوں نے قریب قریب دنیا کے ہر مذہب پر اپنا اثر چھوڑا یہاں تک کہ اسلام کو بھی متاثر کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ اپنے ایامِ طالب علمی میں اس اس حقیقت کو جان چکے تھے اور ان کی تحقیقات کا رُخ بھی اسی طرف تھا یہاں تک کہ ان کے ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کے مقالے کا موضوع تھا "ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" اور اس کے بعد حضرت علامہ نے فرمایا:- وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد

محبّت میں یکتا حمیّت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

یہ عجم کے وہی قدیم خیالات تھے جنھیں یونانیوں نے عقلیت کی شکل دی اور خود عجمیوں اور ہندوؤں نے اس تخیلاتی رنگ میں پیش کیا، پھر یہ وہی تخیلاتی تصوّرات اور خرافات ہیں جو ہر مذہب میں داخل ہو گئے۔ پھر جب سرسیدؒ، علامہ اقبالؒ اور علامہ پرویزؒ نے قرآن کی روشنی میں ان عقائد کا جائزہ لیا اور ان کی تردید کی تو شور مچ گیا کہ جناب غیر واجب مذہبی عقائد کو عقلیت اور جدید علوم کی روشنی میں دیکھا جا رہا ہے۔ لیکن یہ غیر واجب عقائد اتنی کم اہمیت کے حامل نہیں۔ انہی کی وجہ سے مسلمان کی سوچ کا رُخ بدل جاتا ہے۔ عہدِ قدیم کے تصوّرات کے مطابق جن کو ایک مرئی اور مافوق الفطرت ڈراؤنی چیز سمجھنے والے کی سوچ اور ہو گئی۔ اور قرآن کے مطابق پوشیدہ، نہ نظر آنے والے اور صحرائی قبائلی سمجھنے والے کی دلی کیفیت اور ہو گئی۔

معجزہ اور مافوق الفطرت اشیاء کے ظہور پذیر ہونے پر یقین رکھنے والے کا تذبذب اور ہوگا، اور قوانینِ قدرت میں یکسانیت پر یقین رکھنے والے کا اطمینان اور ہوگا۔ جہنم کے خوف اور جنت کے لالچ کا عمل اور ہوگا اور ہر اچھے بُرے کام کے نتائج، قانونِ مکافات اور ذات کی نشوونما پر ایمان رکھنے والے کا عمل اور ہوگا۔ عقیدہ جبر میں اپنی کمزوری چھپا دینے والے کا کردار اور ہوگا اور قدر پر ایمان رکھنے والے کی احتیاط اور چیز ہوگی۔

جنابِ صدر! یہی وہ حقیقت تھی جو خرافات میں کھو گئی۔ میں کسی مفروضے کی بناء پر یہ نہیں کہہ رہا آج مسلمانوں کے جو مذہبی عقائد ہیں۔ خدا، جنت، جہنم، فرشتے، جن، جبر، مافوق الفطرت اشیاء اور قسمت بعینہٖ یہی عقائد یورپ میں ایک ہزار سال سے رائج تھے۔ جہالت، توہم اور خوف کے اسی اندھیرے کے ساتھ کلیسا کا اقتدار قائم تھا۔ پھر اسلام کی کرنیں وہاں پہنچیں اور آج یورپ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ میں اگر یورپ کے دانشوران کے ان اعترافات کو کہ یورپ کی ترقی اسلام کی وجہ سے ہوئی، جمع کرنے بیٹھ جاؤں تو اس سے کئی ضخیم مقالے مرتب ہو سکتے ہیں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یورپ نے اسلام سے کیا لیا۔ کیا اس نے اسلام سے عبادات اور اخلاقیات کے احکام لئے۔ کیا اس نے اسلام سے حدیث، تفسیر اور فقہ کا علم لیا۔ کیا اس نے غزالی اور اشعری کے فلسفہ کی تعلیمات حاصل کی۔

اگر آپ اس سوال کا جواب جاننا چاہتے ہیں تو ابوبکر رازی، ابنِ رُشد اور ابن الہیثم اور دوسرے معتزلہ کی تصانیف دیکھیں جن کا ترجمہ راجر بیکن اور جرارڈ آف کریمونا نے عربی سے لاطینی زبان میں کیا۔ ان کتابوں میں کیا لکھا تھا، ان کتابوں میں لکھا تھا

۱۔ نظامِ کائنات قوانینِ قدرت کے مطابق چل رہا ہے
۲۔ خدا ہر کام میں براہِ راست مداخلت نہیں کرتا یہ سب قانونِ قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ خدا کا اصول ہے۔
۳۔ انسانی ارادہ آزاد ہے۔ عمل کے نتائج قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔
۴۔ معجزہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ قانونِ قدرت کی نفی کرتا ہے۔
۵۔ دعا یا تعویذ مصیبت اور طوفان کو نہیں ٹال سکتے اور نہ ہی اس سے بارش آسکتی ہے۔

یہ اسی ابنِ رُشد کی تعلیمات ہیں جسے آج ENCYCLOPEDIA AMERICAINA، اور BRITINICA اس کی عظمت کے اعتراف میں (GREATEST PHILOSPHER OF ISLAM)

کہتے ہیں۔ لیکن ہم نے ابن رشد کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ وہی سلوک کیا جو یورپ کے کلیسا نے گلیلیو کے ساتھ کیا۔ ابوبکر رازی کے ساتھ کیا ہوا۔ ابن الہیثم اور بوعلی سینا اور دوسروں کی کتابیں جلائی گئیں اور آج بھی ہمارے کسی ادارے کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی کتابیں شائع کروائے البتہ حیات ابوالحسن اشعری اور افکارِ غزالی اور تعلیماتِ غزالی ہر جگہ دستیاب ہیں۔ یہ وہی اشعری اور غزالی ہیں جنھوں نے فلسفہ اور سائنس کی مذمت کر کے رجعت پسندی کو فروغ دیا۔ یہاں تک کہ البیرونی کی کتاب کے مترجم ڈاکٹر ای سی. شاشو کو یہاں تک کہنا پڑا کہ اگر عربوں میں یہ دو فرد اشعری اور غزالی نہ ہوتے تو عربوں کا ہر فرد گلیلیو اور نیوٹن ہوتا۔

صاحبِ صدر! حقیقت خرافات میں کھو گئی۔ اس کی مثال دیکھنا چاہتے ہیں تو شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے کئے ہوئے اس ترجمہ کو دیکھیے جو وہ قرآن کی آیۂ جلیلہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۳۶/۴۰ کا کرتے ہیں کہ ”سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں“

لیکن وہ مغرب کا ڈاکٹر مورس بُکائے کہتا ہے کہ نہیں اس آیت میں نظامِ شمسی کا اشارہ ہے یعنی تمام آسمانی کُرّے اپنے اپنے مدار میں خود اپنے زورِ دروں سے معروفِ گردش ہیں۔

جانے اس قسم کی کتنی حقیقتیں ہیں جو خرافات اور داستانوں میں کھو گئیں۔

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کیلئے

لیکن اب ہم زیادہ دیر تک حقیقت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ ایک نہ ایک دن ہمیں حقیقت اپنانی ہی ہوگی۔ ہمیں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جس میں ساری انسانیت کی فلاح ہے۔

ع رنگ تو رنگ ہیں، موسم ہی بدل جائیں گے
رُوحِ قرآن میں اِک بار اتر کر دیکھو !!!

مفکرِ قرآن، محترم پرویز صاحب کی قرآنی فکر پر مبنی
گراں قدر لٹریچر کا
لاہور شہر میں دوسرا مرکز
مکتبۂ دین و دانش ملک جلال دین ٹرسٹ ہسپتال بلڈنگ
چوک اردو بازار لاہور

محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ کا مقالہ جو قلتِ وقت کے باعث سیمینار میں پڑھا نہ جاسکا۔

ملکی قانون اور حقوقِ نسواں

۱۔ ادارہ طلوعِ اسلام گلبرگ لاہور کے زیرِ اہتمام قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی کی تقریب میں شمولیت کا موقعہ ملا۔ یہ تقریب واپڈا آڈیٹوریم میں مؤرخہ ۲۳ فروری ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوئی تھی۔ تحریکِ پاکستان اور حقوقِ نسواں کے بارے میں فکر انگیز مقالات پیش کئے گئے۔ یہ بڑا ہی مستحسن اقدام ہے اور ادارہ کے منتظمین، قوم کی مبارکباد کے مستحق۔

۲۔ حقوقِ نسواں کے بارے میں چند مقررین اور صاحب صدر نے اپنے خیالات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس ضمن میں مَیں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وفاقی شرعی عدالت اور شرعی اپیلیٹ بنچ سپریم کورٹ کے سامنے متعدد حوالوں سے حقوقِ نسواں جیسے معاملات زیرِ غور آئے اور فیصلے صادر ہوئے جن میں سے کچھ کا ذکر میں یہاں کروں گا۔ یہاں پر عرض کردوں کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ اور تابع اپیل سپریم کورٹ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بھی آئینِ پاکستان کے تحت حتمی ہوتا ہے۔ اور مملکت کے قانون کے طور پر نافذ العمل ہوتا ہے۔

۳۔ ۱۰ اگست ۱۹۸۲ء کو وفاقی شرعی عدالت نے پردے، عورت کے قاضی یا حاکم بننے یا سربراہِ مملکت بننے کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا۔ وفاقی شرعی عدالت، چیف جسٹس، جناب شیخ آفتاب حسین، جناب جسٹس ظہور الحق اور جناب جسٹس مولانا ملک غلام علی پر مشتمل تھی۔ یاد رہے کہ یہ فیصلہ اس وقت دیا گیا جب مارشل لاء اپنی پوری قوت سے نافذ تھا اور حکومتی ایوانوں سے نفاذِ اسلام کا نعرہ پوری شدت سے لگایا جارہا تھا۔

۴۔ پردے کے بارے میں عدالت نے فیصلہ میں کہا کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ ۵۹ سورہ احزاب کی رُو سے بھی اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے جسم کو عورتیں اس طرح ڈھانپیں کہ وہ پہچانی جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ پہچانے جانے کے لئے کم ازکم چہرہ تو کھلا ہونا چاہیئے۔

۵۔۔۔۔ مردوں اور عورتوں میں احکام و فرائض کی بجاآوری میں یکسانیت کے بارے میں فاضل عدالت نے قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیات پر انحصار کرتے ہوئے قرار دیا کہ عورتوں اور مردوں کو خداوندِ کریم نے یکساں خوبیوں سے نوازا ہے اور تمام معاملات میں یکساں مکلّف ٹھہرایا ہے۔

سورۂ احزاب آئت ۳۵۔ سورۂ زمر آیت ۴۱۔ سورۂ لنساء آیت ۱۰۳۔ سورہ عنکبوت آیت ۶۹ سورۂ حجرات آیت ۱۳۔

سورۂ لنساء کی آیت ۳۴۔ جہاں ارشادِ باری تعالےٰ ہے کہ

"الرجال قوامون علی النساء"

کے مفہوم پر تفصیلاً بحث کرتے ہوئے قرار دیا کہ اس آیۂ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ مرد عورتوں کے کفیل ہیں سربراہ نہیں!۔۔۔۔ اس آیۂ مبارکہ سے مرد کی حاکمیت یا تسلّط کا مفہوم نکالنا صحیح نہیں ہے۔

تاریخ کے حوالے سے عدالت نے ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" جلد ۱۲ ص ۳۳۳ اور علامہ سیّد سلیمان ندویؒ کی کتاب "سیرتِ عائشہ" ص ۱۲۶ اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی کتاب "اعلاالسنن" جلد ۱۷ ص ۲۷ بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں ایک خاتون شفا بنت عبداللہ کو محاسب السوق یعنی INSPECTRESS OF MARKET مقرر کیا تھا۔ اور انہوں نے حضرت حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا بھی سکھایا تھا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کی والدہ HIGH COURT OF APPEAL کی صدر عدالت تھیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب "INTRODUCTION TO ISLAM" ص ۱۳۷ سے حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسلامی تاریخ کے ہر دَور اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں مسلمان خواتین ہر شعبۂ زندگی میں مصروف نظر آتی ہیں۔ انہوں نے بطور نرس، ٹیچر حتّٰی کہ مردوں کے شانہ بشانہ لڑائیوں میں بھی شرکت کی۔ وہ گلوکار تھیں، ہیئر ڈریسر تھیں۔

فاضل عدالت نے حدیث "لن یفلح القوم ولو امرھم امراۃ" کا بھی مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "امداد الفتاویٰ" جلد ۷ ص ۹۳-۹۱ کے حوالے سے جائزہ لیا۔

چنانچہ فاضل عدالت نے قرار دیا کہ قرآن وسنّت کی رُو سے عورت کے حاکم یا قاضی بننے یا سربراہِ مملکت بننے میں کوئی امر مانع نہیں ہے"

۶۔۔۔۔ فاضل سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ مورخہ ۹ راگست ۱۹۸۸ء کو قرار دیا کہ قرآن وسنّت اور

فقہِ اسلامی کی رُو سے یہ مسئلہ بالکل واضح اور غیر اختلافی ہے کہ ایک مسلمان عورت کسی بھی غیر مسلم کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، خواہ وہ غیر مسلم اہلِ کتاب میں سے ہو یا غیر اہلِ کتاب میں۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۰ پر انحصار کیا گیا ہے
یہی رائے فاضل وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ مؤرخہ ۸۷/۴/۱۶ میں بھی اختیار کی تھی۔

۷۔ ــــــ زنا حدود آرڈیننس میں شہادتِ نسواں خارج تھی۔ چنانچہ یہ معاملہ بھی وفاقی شرعی عدالت کے زیرِ غور آیا اور فاضل عدالت نے اپنے فیصلہ محررّہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۹ء کو قرار دیا ہے کہ:

ا حدود کے مقدمات میں اثباتِ جرم کیلئے کوئی بھی گواہ (بشمول خاتون) ہو سکتے ہیں۔ تاہم حد کی سزا کا مستوجب گردانے کے لئے مقررہ نصاب کے مطابق مسلمان مردوں کی شہادت ضروری ہے۔

ب زنا کے مقدمات میں اگر مطلوبہ معیار کی شہادت میسر نہ ہو تو عدالت تعزیری سزا دے سکتی ہے۔

ج زنا بالجبر کے مقدمات عام زنا کے مقدمات سے مختلف ہیں۔ یہ حرابہ اور فساد فی الارض کی سنگین قسم ہے۔ جہاں حد کی سزا کے لئے ۲ مسلمان مرد اور تعزیر کے لئے کوئی بھی قابلِ اعتماد حتیٰ کہ مستغیثہ کا بیان اور تائیدی قرائن بھی کافی ہوں گے۔

چنانچہ عدالت نے زیرِ غور قانون کو اپنے حکم کے مطابق فروری تک ترمیم کرنے کا حکم دیا۔ بصورتِ دیگر عورت کی شہادت خارج کرنے کا قانون ساقط العمل ہوگا

۸ ــــــ علاوہ ازیں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس سے قبل قانونِ شہادت آرڈر ۱۹۸۴ء میں کہا گیا ہے کہ گواہوں کی شہادت اور ان کی تعداد کا تعین قرآن و سنت کے احکام کے مطابق کیا جائے گا۔
سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ سے یہ قانون بنا دیا گیا ہے کہ تاوقتیکہ حدود یا دیگر قوانین میں اس سے مختلف قانون وضع نہ کر دیا گیا ہو

ا تمام مالی مقدمات اور وہ مقدمات جن میں مستقبل کے لئے ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا ہو، اگر ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہوں تو ان تحریری دستاویزات کے گواہان ۲ مرد یا ایک مرد اور ۲ عورتیں ہوں گی تاکہ بوقتِ ضرورت دوسری یاد دلا دے اور اس کے مطابق شہادت لی جائے گی۔ (للہذا شہادت ایک عورت کی ہی قلمبند ہوگی)

ب دوسرے تمام معاملات میں عدالت ایک مرد یا ایک عورت یا دوسری شہادت جو احوال و قرائن کے مطابق ہو شہادت لے سکتی ہے ـــــ للہذا ملک کے رائج الوقت قانون کیمطابق کہیں یہ نہیں ہے کہ عورت کی گواہی آدھی ہے یا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ ــــــــ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جناب قاسم نوری صاحب کا مقالہ جو تنگیٔ وقت کی وجہ سے سیمینار میں پڑھا نہ جاسکا۔

اسلامی معاشرے میں

عورت کا مقام

سامعینِ محترم! مجھے مختصر بات کرنی ہے۔ چونکہ بات مختصر ہے۔ لہذا آپ کی توجہ بھی بھرپور طور پر چاہوں گا۔ قرآنی تاریخ کا وہ واقعہ یقیناً آپ کو یاد ہوگا۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ اب اپنا پیغام قوم تک پہنچانا چاہیئے تو آپ کوہِ صفا پر کھڑے ہوگئے اور بآوازِ بلند آپ نے فرمایا" اے لوگو! میں تم سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا صرف ایک بات سُن لو۔" لوگوں کے قدم رُکنے لگے۔ "ایک بات سننے میں تو کوئی حرج نہیں ہے" سارا شہر جانتا تھا کہ صرف 'ایک بات' سننے کی دعوت دینے والا۔ وہ شخص ہے جو کبھی لفظوں کی امانت میں بھی خیانت نہیں کرتا۔ اگر یہ کہہ رہا ہے کہ ایک بات سُن لو تو یقیناً یہ دو باتیں نہیں سنائے گا۔ یہ اس قدر سچا اور بات کا پکا ہے کہ ایک بات کا کہا ہے تو ایک ہی بات کرے گا ——— آپ نے فرمایا۔ "نہیں اس طرح نہیں کہ چونکہ مجھے بات ایک ہی کہنی ہے لہذا توجہ یکسوئی اور دھیان بھی پورا چاہتا ہوں۔ اگر تم سب کے سب نہیں کھڑے ہوسکتے تو دو، دو ایک ایک کرکے کھڑے ہوجاؤ لیکن خالصتہً اللہ کے لئے!

جانتے ہیں سامعینِ محترم! اس امینِ مُبینؐ نے کیا بات کہی؟ اپنی بات ادا کرنے کے لئے آپؐ نے ایک فقرے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ جو کہنا تھا وہ ایک لفظ میں کہہ دیا مگر وہ ایک لفظ نہ تھا۔ نچوڑ اور ماحصل تھا، تمام رسولوں کی تعلیم کا۔ مقصدِ عظیم تھا ——— انسان کے شرف امتیاز کا افشائے راز تھا اس حقیقت کا کہ منشائے ربِ جلیل آخر ہے کیا؟ غور سے سنیئے رفیقانِ محترم! آپؐ نے فرمایا:۔

تَتَفَکَّرُوْا ——— (۳۴/۴۶) حالات اور وقت کے دھارے اور اسلاف کی روش کے بہاؤ میں نہ یونہی بہتے مت چلے جاؤ۔ جو کرو اس پر غور بھی کرلیا کرو؛ تقلید، انسانیت کا شرف ہے ہی نہیں۔ انسان اشرف بنتا

ہی غور و تدبر سے ہے'

ایک بات ابتدا ہی میں اور دوٹوک الفاظ میں عرض کر دوں کہ جو لوگ، عورت کو کم عقل، آدھی یا مرد سے کمتر سمجھتے ہیں، وہ صرف عورت کی توہین نہیں کرتے بلکہ پوری انسانیت کی توہین کرتے ہیں۔

میں آپ کے چہروں پر حیرت و استعجاب کی فراوانی صاف طور پر دیکھ رہا ہوں کہ عورت کو "آدھی انسان" یا کمتر کہہ دینے سے ——— انسانیت کی توہین کیسے ہوگئی؟ اسی لئے تو تَتَفَکَّرُوْن سے بات کا آغاز کیا تھا کہ اللہ کے بندو کبھی غور بھی کر لیا کرو۔ اللہ؛ رب النّاس ہے۔ ملک النّاس ہے؛ الٰہ النّاس ہے۔ (۶۔۱/۱۱۴) اور اس " النّاس " میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ (۲) رب نے ' انسان کی تخلیق کی اور انسان کو ' مکمل اور بہترین شکل میں پیدا کیا۔" (۵/۹۵ = ۲۳/۱۱۵ - ۴۰ - ۷۵/۳۶) پھر ان کے جوڑے بنائے اور انسان کو مختلف فرائض سونپ کر عورت اور مرد میں تقسیم کر دیا۔" (۸/۷۸) اور کہیں یہ نہیں کہا کہ اس جوڑے کا ایک حصہ' دوسرے حصہ سے آدھا یا کمتر ہے یا ابھی نامکمل ہے۔ تیسرے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ ۝ (۱۷/۷۰) کہہ کر مزید کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ تمام ' بنی آدم ' برابر کی تکریم کے حامل ہیں اور بنی آدم میں بھی یقیناً ' عورت بھی شامل ہے۔ سارا قرآن؛ اجتماعی حیثیت میں انسان کو مخاطب کرتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں سے غور و فکر کا مطالبہ کرتا ہے۔ کائنات کی تسخیر کے لئے صرف مَردوں ہی کی شرط نہیں لگاتا' عورت بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔ پھر۔ گناہ ' ثواب ' نجات' جرم و سزا ' عبادات ' اتباعِ قرآن ' نظامِ خداوندی کی اطاعت اور جس قدر بھی دیگر احکامات ہیں' عورت اور مرد دونوں کے لئے ہیں اور دونوں اس میں برابر کے شریک ہیں ——— دیکھنا ' سُننا ' ہنسنا رونا ' چلنا پھرنا ' کھانا پینا ' لکھنا پڑھنا ' مرنا جینا ' جذبے رشتے ' محسوسات ' جذبات ' خواہشات ' نیکی بدی ' غرض ہر ہر چیز میں عورت ' مرد کے مساوی ہے' برابر ہے۔ اس سے بھی بڑی بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سارے قرآن کریم میں کسی ایک مقام پر بھی' کہیں مذکور نہیں ہے کہ عورت ' مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے ——— پھر یہ عورت آدھی کیسے بن گئی؟! اللہ نے مکمل اور بہترین شکل میں تخلیق کیا؛ قرآن نے واجب التکریم کہا۔ سوچئے ہم انسان ' اِسے آدھا کہہ کر کس کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں؟؟

سامعین گرامی قدر! آدھی یا نامکمل چیز تو کبھی مکمل اور مثبت نتیجہ پیدا نہیں کرتی' کر ہی نہیں سکتی۔ عورت مکمل ہے۔ اس کی بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ عورت ہمیشہ مثبت نتیجہ پیدا کرتی ہے ——— سانچہ مکمل نہ ہو تو وہ مکمل شئے

کو ڈھال ہی نہیں سکتا ۔۔۔ اگر عورت آدھی ہے تو مکمل انسان' کیسے ڈھال لیتی ہے ؟ یہ عظیم فلاسفرز' ریفارمرز' سائنس دان' مفکر' اساتذہ' پیغمبر اور عورتوں کو' آدھی انسان' سمجھنے والے نام نہاد مکمل فرد ۔۔۔ کیا یہ سب کسی نامکمل اور نصف کا نتیجہ ہوتے ہیں ؟ اللہ نے تو کسی ابہام کے بغیر' عورتوں اور مردوں دونوں کو اپنے اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار قرار دیا ہے ۔ دونوں پر یکساں طور پر قانون " مکافاتِ عمل " کا اطلاق ہوتا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے لئے جواب دہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ " مکمل " ہو ۔ اگر عورت " آدھی انسان " ہے تو اس پر' نہ قوانینِ الٰہی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ دنیا کے کسی بھی انسانی قانون کا ۔۔۔ اور بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس حساب سے تو عورت کے کردہ گناہوں اور جرائم کی سزائیں بھی آدھی ہونی چاہئیں ۔۔۔

رفیقانِ محترم ! دراصل' آدھا یا پورا آدمی نہیں ہوتا' اس کا شعور ہوتا ہے ۔ ایک پاگل آدمی بظاہر ہر طرح مکمل ہوتا ہے لیکن صرف شعور نہ ہونے یا کھو دینے کی وجہ سے وہ پورا نہیں کہلایا جا سکتا' اسے آدھا ہی کہا جائیگا ایک انسانی بچہ' جس کا شعور بالغ نہیں ہوا' یعنی نامکمل" ہے' اسے بھی آدھا سمجھا جائے گا حتیٰ کہ ٹرین' جہاز وغیرہ میں اس کا کرایہ بھی آدھا ہی لگے گا ۔۔۔ جانور صرف شعور نہ رکھنے کی وجہ سے' انسان سے نصف قدم پیچھے ہیں ۔ کیا ۔۔۔ عورت بھی کچھ ایسی ہی سطح پر ہے ؟ ۔۔۔ ہرگز نہیں ۔۔۔ مکمل ہے' مکمل شعور رکھتی ہے ۔ انسان ہے اور اس کا وجود' اس کی ہستی اسی طرح مقصود بالذات ہے جیسی قرآن کی رو سے مرد کی ہے ۔ عورت کو آدھا کہنا یا سمجھنا' دراصل ربِ کریم کے اس اعلان کو جھٹلانا' باطل قرار دینا اور اس کی صداقت سے' کفر' کے مترادف ہے کہ" ہم نے انسان کو بہترین شکل میں پیدا کیا ہے ۔" (۵/۱۰۵ = ۲۲/۴۰ - ۶۴/۳۶/۷۵) آدھی یا نامکمل چیز تو بہترین نہیں ہوتی ۔۔۔ نامکمل تصویر کو بہترین یا بدترین کہا ہی نہیں جا سکتا ۔ ظاہر ہوا " بہترین " کہہ کر اللہ تعالےٰ نے مرد اور عورت دونوں کے مکمل ہونے کی تصدیق کردی ہے اور صرف بہترین ہی نہیں کہا' آگے چل کر " حسین ترین " بھی کہا ۔ " لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ٥ (۵ - ۹۵/۴) " ہم نے انسان کو حسین ترین ہیئت میں تخلیق کیا ۔" انسان' ربُ العزت سے جو بہترین بھی ہے' حسین ترین بھی ہے ۔ کیا اللہ کی اس حسین ترین تخلیق " انسان " میں عورت اور مرد' دونوں شامل نہیں ہیں ؟ !

دینی حیثیت سے ہٹ کر دیکھئے تو یہ بحث اور بھی لایعنی نظر آتی ہے اور ہمیں ساری دنیا کے سامنے شرمسار ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے کہ پاکستان سمیت ساری دنیا میں چوالیس کے قریب اسلامی ممالک ہیں ۔ ان سب کا دعویٰ ہے کہ یہ قرآنی نظریہ کے حامل ہیں ۔ یہ تمام ممالک اقوام متحدہ کے ممبر ہیں اور اس کے چارٹر پر دستخط کر چکے ہیں اس چارٹر میں انسانی حقوق کے ناطے سے عورت کو مرد کے برابر تسلیم کیا گیا ہے یعنی عورت اور مرد بالکل مساوی

میں لہٰذا اب عورت کی حیثیت کو مکمل تسلیم نہ کرنا، عالمی برادری سے بھی 'فراڈ' کرنے کے مترادف ہوگا، مشترکہ چارٹر کا مذاق اڑانا ہوگا اور ساری دنیا کو یہ بتانا ہوگا کہ ہم اعتبار اور بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں

دنیا ترقی کرتی جارہی ہے اور ترقی کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ تاریخ بھی اس کے تعاقب میں ہانپنے لگی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان دنیا سے الگ تھلگ ایک ایسا حصۂ زمین ہے جہاں نہ قوموں کا عروج و زوال اپنا کوئی فلسفہ رکھتا ہے اور نہ اصولِ ارتقار کوئی قوت و معنی ۔۔۔ ایک ادنیٰ سا، چھوٹا سا پرندہ بھی حرکت میں مصروف ہے لیکن ہم کسی پہاڑ کی طرح جامد و ساکت صدیوں سے پڑے ہیں۔ ہم نے اپنے دماغوں کو مقفل و معطل کر رکھا ہے ۔۔۔ زمانے کے گرم سرد، وقت کی تندی و تیزی، حالات کی کروٹیں، قوموں کا عروج اور کا زیر و بم، سب ہمارے سروں پر سے گزر رہا ہے۔ ہم یہ سب دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں لیکن ہلتے جُلتے نہیں جہاں بھے چٹانوں اور پہاڑوں کی طرح وہیں جمے پڑے ہیں اور یہ کیفیت اس لئے ہے کہ حرکت تو پیدا ہوتی ہے تدبر سے، غور و فکر سے، نصب العین اور مقاصد کے تعین سے۔

"انسان بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔" (۲۳/۱۱۵) یہ اللہ کا فرمان ہے۔ پھر ہم بے مقصد کیوں جی رہے ہیں؟ کیا صرف چند آسائشوں کا حصول، دوسروں سے برتر کہلانے کا خیال اور دولت مند بن جانے کا احساس، بس یہی منتہا و مقصود ہے ہمارے جینے کا؟ وہ ساری دنیا کی قیادت و امامت کا جو فرض اللہ نے ہمیں سونپا تھا، کون پورا کرے گا اُسے؛ فرشتے یا کوئی اور مخلوق؟ کس کا انتظار ہے ہمیں؟ اور کس طرح ساری دنیا کی قیادت و امامت کر سکتے ہیں ہم ۔۔۔ کہ ابھی تو یہی طے نہیں کر پائے کہ دنیا تو رہی ایک طرف، ہمارے اپنے ملک اور ہمارے اپنے گھروں میں، عورت کو بھی قیادت میں شرکت کا حق ہے یا نہیں؟ مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب نے بڑی اچھی مثال ایک درس میں دی تھی کہ بیڑیاں پہنا کر جب کوئی پولیس مین کسی قیدی کو لے جارہا ہوتا ہے تو خود پولیس مین کی رفتار بھی آدھی رہ جاتی ہے ۔۔۔ اس کرۂ ارض پر نصف سے زیادہ حصہ عورتوں کا ہے ۔۔۔ جو قوم اسے بیڑیاں پہنائے گی، اس کی اپنی پیش رفت بھی مدھم پڑ جائے گی۔ انسان کی کارکردگی، رفتار کی کمی بیشی کا تعلق دونوں بازوؤں یا دونوں ٹانگوں سے ہوتا ہے۔ ایک بازو یا ایک ٹانگ معطل کر دیجئے اور دیکھئے کہ کارکردگی اور رفتار و معیار کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

مرد، ابتدائے آفرینش میں عورت کی بے پناہ ذہانت، انتظامی صلاحیت اور قوتِ کارکردگی سے اس

قدر خائف ہوا کہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہوگیا اور اپنے اس خوف اور احساسِ کمتری پر غالب آنے کے لئے اس نے عورت کی بعض فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ گھبرا کر عورت کے خلاف اجتماعی پروپیگنڈے کا محاذ کھول دیا

"عورت کم عقل ہے ......، کمزور ہے ......، صنفِ نازک ہے ......، بدھو ہے ......، اس میں عقل نہیں ہے ......، اس میں روح نہیں ہے ......، یہ شیطان کی خالہ ہے ......، ابلیس کی بیٹی ہے ......، مردوں کے لئے باعثِ شرم ہے ......، اسے صرف جنسی تسکین کے لئے بنایا گیا ہے ......، آدم کے دل بہلاوے کے لئے پیدا کیا گیا ہے ......، مردوں کی خدمت و اطاعت کے لئے وجود میں لایا گیا ہے ......، مرد اس پر حاکم ہیں، داروغہ ہیں ......، اگر خدا کے بعد کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو خاوند (مردوں) کے لئے ہوتا ......، مرد اسے مار سکتے ہیں، بیچ سکتے ہیں، ہلاک کر سکتے ہیں ......، یہ جائیداد کی طرح وراثت میں منتقل ہو سکتی ہے ......، زمین جائیداد سے محروم کی جا سکتی ہے ...... دان کی جا سکتی ہے ...... نیلام کی جا سکتی ہے ......"

چونکہ ہر سماج انتہائی نازیبا، مردوں کا ہی پیدا کردہ ہوتا تھا (بلکہ ہے) لہٰذا ادب و تمدن اور مذہب کے ٹھیکیداروں نے اس پروپیگنڈے کو بھی "مذہب کا حصہ" بنا دیا اور عورت صرف ترس کھائی جانے والی، مظلوم شے بن کر رہ گئی ...... مذہبا بھی مرد کی غلام اور عملی جاگیر بن کر رہ گئی ...... مجازی خدا کی نافرمانی کی صورت میں دنیا میں بھی ذلیل ہوئی اور آخرت میں جہنم بھی ایسی ہی عورتوں سے بھرا گیا ...... چونکہ یہ تصورات مذہب کا حصہ بنا دیئے گئے تھے لہٰذا آنے والی نسلوں کی روح اور دماغوں تک میں رچ بس گئے اور عورت نے بھی آہستہ آہستہ اپنی اس حیثیت کو ذہنی طور پر تسلیم کر لیا، اور نہ صرف خود کو "آدھی" اور کم عقل و کم حیثیت سمجھ بیٹھی بلکہ اپنے اس آدھے پن کو ہی بخشش اور نجات کا ذریعہ سمجھنے لگی۔

یہ قرآن تھا ...... جس نے للکار کر اس پروپیگنڈے کی تردید کی اور ذلت و پستی کے گڑھے سے عورت کو نکال کر انسانیت کے عرش سے ہمکنار کر دیا۔ پہلی بار اس کرۂ ارض پر اللہ کا فرمان گونجا اور پہلی بار گوش بنی نوع انسان نے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ......" کا نعرہ سنا ...... صدیوں کی سطوتوں نے پل بھر میں سمٹ کر عورت کو بھی "انسان" کی صف میں لا کھڑا کیا ...... مردوں کے مساوی کر دیا۔ عزت و تکریم اور حقوقِ انسانی میں عورت اور مرد برابر قرار دیئے گئے۔

آج صرف یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا ...... "آخر ہم قرآن پر ایمان کب لائیں گے؟" جس کو اللہ

مساوی کہتا ہے، اللہ کا رسولؐ مساوی کہتا ہے، اسے مساوی سمجھنے میں آخر کون سا عذر مانع ہے؟"
آخر ہم اپنے ہونٹوں اور دلوں کے تالے کیوں بند رکھنا چاہتے ہیں؟ تَتَفَکَّرُوْا ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا۔۔۔

دوستو خواب کی دہلیز سے باہر دیکھو • زندگی بھر، نہ سرابوں کے ہی منظر دیکھو
روحِ قرآن میں اک بار اُتر کر دیکھو • رنگ تو رنگ ہیں، موسم بھی بدل جائیں گے

(قاسم نوری)

کہاں پہ جا کے لُٹا کاروانِ مہر و وفا

حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے دَور کی ہنگامہ خیزیوں سے متاثر ہو کر کہا تھا:

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

وہ اگر آج زندہ ہوتے تو اُس دَور کی "ہوائے تند و تیز" کو اس زمانے کی نفرتوں اور لاقانونیت کے جھگڑوں کے مقابلہ میں نسیمِ سحر کہہ کر پکارتے۔ "باب الاسلام" کے صوبے میں بالعموم اور کرفیو کے شہر کراچی، میں بالخصوص جو کچھ پچھلے چند دِنوں ـــ چند مہینوں ـــ چند سالوں سے ہو رہا ہے۔ اس کی تفاصیل اس قدر درد انگیز، جگر سوز، دل دوز اور المناک ہی نہیں بلکہ شرمناک ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کی یاد حافظہ سے محو ہو جائے۔ ان کا کوئی ذکر نہ کرے۔ تاریخ انہیں اپنے صفحات سے مٹا دے۔
یہاں جو کچھ کیا، خود اپنوں نے اپنوں کے ساتھ کیا۔ یہاں اہلِ چمن نے اپنے ہاتھوں سے آشیانوں کو آگ لگائی۔ یہاں مسلمان نے مسلمان کا خون کیا۔
جو کچھ اقبالؒ کے نالۂ نیم شبی اور قائدِ اعظمؒ کی فغانِ سحر گاہی نے مدّتوں میں جمع کیا تھا، اسے ہم نے چند دِنوں میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا:

کہاں پہ جا کے لُٹا کاروانِ مہر و وفا
کہ دوستی سے بہت دُور دشمنی رہی

بریگیڈیر اعزاز الدین احمد خاں

حقائق و عبر

رائے ونڈ کو خانۂ کعبہ پر فضیلت

پاکستان میں دیوبندی فرقے کے ترجمان ماہنامہ البلاغ کی مارچ ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں ایک اہم مسئلہ کے بارے میں سوال و جواب شائع ہوئے ہیں قارئینِ طلوعِ اسلام بھی انہیں ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارے مولوی حضرات نے کس طرح دینِ اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔

سوال: تبلیغی جماعت کے حضرات کا کہنا ہے کہ اس راستے میں ایک نماز کا ثواب ...... ۴۹ کروڑ کے برابر ہے اور اس میں اپنے ساتھ کسی دوسرے کو شامل ہونے نہیں دیتے۔ کیا از روئے شریعت انچاس کروڑ کا ثواب ثابت ہے۔؟ اگر ثابت ہے تو اس ثواب میں مجاہدین اور طلبۂ دینی مدارس بھی شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ یہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

۲۔ کچھ حضرات سے یہ بھی سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ بیت اللہ شریف پر رائے ونڈ کی فضیلت زیادہ ہے کیونکہ رائے ونڈ میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ ہے اور بیت اللہ شریف میں ایک لاکھ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغ کا کام رائے ونڈ میں ہوتا ہے وہاں نہیں ہوتا۔ (ص ۵۵، ۵۶)

جواب:۔ رائے ونڈ کو کعبۃ اللہ پر فضیلت دینا بدترین غلو اور گمراہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے یا رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شامل ہونے یا دنیا میں کسی اور جگہ ہونے والے تبلیغی اجتماع میں شریک ہونے کی صورت میں انچاس کروڑ کا ثواب بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ تبلیغ کی اس خاص صورت میں منحصر نہیں بلکہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلے اور دین کی خدمت میں لگے گا اس کو اپنی ہر عبادت پر انچاس کروڑ گنا ثواب ملیگا۔ (ص ۶۰-۶۱)

اسلام میں ظاہری عبادات، مسلمانوں کو اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق گزارنے میں مدد دینے کے لئے رائج کی گئی تھیں۔ لیکن آج مسلمانوں نے اپنی ظاہری عبادات کو ہی اصل اسلام سمجھ لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری زندگیوں میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی۔

سرمایہ دار و جاگیردار

شاہ ولی اللہ دہلوی کے افکار کی اشاعت کے لئے حیدر آباد سندھ میں ان کے نام سے ایک اکیڈمی قائم ہے۔ اس اکیڈمی کی جانب سے ایک علمی مجلہ "الولی" شائع ہوتا ہے۔ اس کے شمارہ بابت جنوری ۱۹۹۰ء میں شاہ ولی اللہ کے افکار کی روشنی میں پاکستان کے جاگیرداروں کے بارے میں یہ تحقیق پیش کی گئی ہے:۔

"پاکستان پر مسلط استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کی مثلث کا تیسرا اہم کردار سرمایہ دار و جاگیردار ہے۔ اس کے کردار کا پس منظر بھی اپنے اندر ایک بڑی گہرائی لئے ہوئے ہے تاریخ شاہد ہے کہ مغل بادشاہوں کے دور میں ہندوستان میں جاگیردارانہ سماج وجود پذیر نہیں ہوا تھا اس لئے کہ وہاں عدل کا مجموعی نظام کچھ اس طرح قائم تھا کہ جاگیرداروں کو اپنے جاگیر کے علاقہ میں انتظامی اختیارات تو حاصل تھے لیکن اس معاشرہ کو جاگیردارانہ سماج کی حیثیت دے کر وہ ظلم و استحصال نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس حقیقت کو سوشلزم و کمیونزم کے بانی "کارل مارکس" نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "داس کیپٹل" میں بھی تسلیم کیا ہے اگرچہ اس نے اس کی وجہ معروضی حالات کو بتایا ہے جو اس کے فلسفۂ جدلیت کے مطابق ہے۔ لیکن اس حقیقت کا اعتراف اس نے بھی کیا ہے کہ جاگیردارانہ سماج اس دور میں ہندوستان میں موجود نہ تھا اور اس کے عزیز دوست اور دستِ راست "اینگلز" نے بھی اپنے ایک خط میں جو اس نے ۱۸۵۳ء میں مارکس کو لکھا تھا اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔

(بحوالہ داستان خانوادۂ مولانا احمد علی لاہوری ص... مصنفہ عبد الملک)

لیکن جب انگریز سامراج نے اس خطے میں استحصال کرنے کیلئے ہندوستان پر قبضہ کیا اور یورپی صنعتوں کی منڈی بنایا تو اس وقت اس نے سب سے پہلے یہاں کے عوام کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا۔ اس کے ردِ عمل میں حریت پسندوں نے مزاحمت کی اور پھر ان کے مقابلے میں جب انگریز نے اپنے پالتو غدارانِ قوم سے کام لیا تو اس کے عوض برطانوی سامراج نے ان غدارانِ قوم کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، جس سے ہندوستان کی تاریخ میں جاگیردارانہ سماج کی ابتداء ہوئی۔ ان غدارانِ قوم نے

انگریزی فوج کی اعانت و امداد کیلئے اپنے زیرِ نگیں علاقہ کے عوام پر زبردست مظالم ڈھائے اور برطانوی سامراج کو ان پر مسلّط رکھنے کے نت نئے طریقوں سے کام لیکر ملک کو غلام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔
اس وقت پاکستان کا جاگیردار بھی اکثریتی لحاظ سے انہی غداران قوم کی اولاد و نسل سے ہے اور اس کی ذہنی تربیت بھی اسی پس منظر میں ہوئی ہے کہ وہ ہر حال میں سامراجی مفادات کا تحفظ کرے چنانچہ جو کام انگریز کے دور میں ان کے آباء سے لیا جاتا تھا وہ کام آج یہ لوگ اس نئے سامراج کے لئے کر رہے ہیں۔"

(ماہنامہ الولی بابت جنوری ۱۹۹۰ء صفحات ۲۸۔ ۲۹)

بلا تبصرہ:۔ ۱۰ لاکھ نقد، سینٹ کی سیٹ اور ۳۰۰ کنال اراضی

جمیعت علماء پاکستان میں ہونے والی دھڑے بندیوں کا ڈراپ سین دونوں دھڑوں کے کنونشنوں کے انعقاد کے ساتھ ہوگیا۔ لاہور میں نیازی گروپ کے کنونشن میں شریک افراد میں سے بعض تو وہ تھے جنہوں نے مرحوم ضیاء الحق کے پورے دورِ اقتدار میں مزے لوٹے اور اب میاں نواز شریف کی عنایات پر شرعی حکومت کے جواز ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور کچھ عناصر وہ تھے جو ایک برس قبل صرف اس لئے جے یو پی سے الگ ہوئے تھے کہ ان کا موقف تھا کہ جماعت کا صدر پنجاب سے تعلق رکھنے والا عالم ہو اب غازی عبدالستار نیازی کی صورت میں انہیں ایک ایسا عالم مل گیا ہے جس کی قیادت بے داغ ہے جبکہ دوسری جانب نورانی میاں کا کہنا ہے بے داغ قیادت نے دس لاکھ نقد، سینٹ کی ایک سیٹ اور ۳۰۰ کنال اراضی کے عوض مقامِ مصطفےٰ کو رہن رکھ دیا ہے۔

(ہفت روزہ رضاکار لاہور بابت یکم اپریل ۱۹۹۰ء)

مُنہ میں رام رام (اہنسا کے پجاریوں کی وحشت و بربریت کی مُنہ بولتی تصویر)

(بھارت میں) بھاگلپور بہار کا فساد حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی تاریخ میں سب سے زیادہ خوفناک اور شرمناک ہے۔ اس فساد نے بھاگلپور ۱۹۴۶ء کے فرقہ وارانہ فساد کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ فرقہ پرست تنظیموں، شرپسند عناصر، موقع

پرست سیاستدانوں، بی ایم پی کے وحشیانہ مظالم، ضلع انتظامیہ کی شرکت اور ریاستی حکومت کی چشم پوشی اور پشت پناہی نے اس فساد کو ایسی شقاوت، بربریت اور سفاکی دیدی جس کی مثال صرف نازی اور صیہونی مظالم ہی میں مل سکتی ہے۔

بھاگلپور کا حالیہ فساد، صرف شہر تک محدود نہیں رہا بلکہ دُور دراز دیہات اور پڑوسی اضلاع مونگیر اور گڈا تک اس آگ کی لپیٹیں پہنچ گئیں۔ اس یکطرفہ قتل و غارت گری اور نسل کشی میں بے قصور انسانوں کے خون سے جس طرح ہولی کھیلی گئی۔ بے گناہ عورتوں، بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں نہتے مسافروں اور راہگیروں کو جس بے دردی سے قتل کیا گیا۔ دوکانوں، تجارتی مرکزوں، صنعتی اداروں، رہائشی مکانوں، مسجدوں، امام باڑوں، مدرسوں، مزاروں اور دیہی علاقوں میں کھڑی فصلوں کو جس طرح لوٹا، جلایا تباہ و برباد اور خاکستر کیا گیا۔ اتنی بڑی تباہی کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ ہزاروں خاندان اُجڑ چکے ہیں۔ صرف جسم پر معمولی کپڑوں کے ساتھ نہائت خوف و ہراس کی حالت میں، بھوک، فاقہ اور طرح طرح کی بیماریوں میں مُبتلا کیمپوں میں مجبور، بےکس اور غیر انسانی زندگی گذار رہے ہیں۔ اپنے اعزہ و اقارب کی شہادت اور قتل و غارت پر اظہارِ غم کے لئے ان کی آنکھوں میں آنسو بھی باقی نہیں ہیں۔

نقصانات کا اندازہ

مقتولین کی تعداد	۹۳۶
متاثرہ گاؤں	۱۳۵
متاثرہ محلّے	۵۲
دیہی مکانات جو جلائے گئے	۴۰۰۰
شہری مکانات جو جلائے گئے	۸۱۵
شہری دکانیں جو جلائی گئیں	۵۴۴
مسجدیں جو جلائی گئیں	۱۷

بحوالہ شعبۂ نشر و اشاعت
جمعیۃ العلمائے ہند نئی دہلی (بھارت)

قرآنی تعلیم بچوں کے لئے
قاسم نوری

اسلام (۱)

السّلام علیکم بچو۔ جس طرح آپ یہ جانتے ہیں کہ ہماری اس دنیا میں بہت سارے ملک آباد ہیں اسی طرح ان ملکوں میں بسنے والی قوموں کے "مذہب" بھی بہت سارے ہیں۔ جیسے ہندو مذہب، سکھ مذہب، عیسائی مذہب یہودی مذہب، بہائی مذہب وغیرہ ایک خاص طریقے سے پُوجا پاٹ، پرستش اور عبادت کرنے اور خدا سے رابطہ یا تعلق قائم کرنے کو 'مذہب' کہتے ہیں۔۔۔ ہر مذہب میں خدا کا تصوّر بھی الگ الگ ہے اور عبادت کے طریقے بھی الگ الگ ہیں۔ لیکن ایک بات ان سب میں مشترک یعنی ایک جیسی ہے اور وہ یہ کہ انسان دنیا میں جو اچھے یا بُرے کام کرے گا اس کا بدلہ مرنے کے بعد اسے ملے گا اور "جنت" صرف اسی مذہب کے ماننے والوں کو ملے گی جس کا وہ پیروکار یعنی ماننے والا ہوگا۔ دوسرے مذہب والے خواہ کتنا ہی اچھا کام کریں، نیکی کریں، انسانوں کی خدمت اور بھلائی کریں وہ "جہنّم" ہی میں جائیں گے۔۔۔

پیارے بچو! ایک بات اور ہے جو سارے مذہبوں میں ایک جیسی ہے اور وہ یہ کہ تمام مذہبوں کا تعلق دنیا کے کاموں سے نہیں ہوتا یعنی حکومت کسی کی ہو، کیسی ہو، ہماری سوسائٹی یا معاشرہ کیسا ہو۔۔۔ علم، سائنس ترقّی، فیشن، رواج اور زندگی گزارنے کے طریقے کیسے ہیں اور کیسے اختیار کئے جا رہے

ہیں۔ ان باتوں سے "مذہب" کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ــــ مذہب انسان اور خدا کے درمیان بالکل ذاتی معاملہ یا تعلق ہوتا ہے۔

لیکن بچو! "اسلام" مذہب نہیں ہے بلکہ "مذہب" کے اس تصور کو مٹانے، ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے۔ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ خدا اور بندے کے درمیان ذاتی تعلق کا نام نہیں ہے ــــ نہ یہ پوجا پاٹ، پرستش اور صرف عبادت کرنے کا نام ہے اور نہ اس کا تعلق صرف مرنے کے بعد کی زندگی سے ہے۔ اور نہ ہی یہ خاص لوگوں کے لئے آیا ہے۔ یہ تو ساری دنیا کے لوگوں کے لئے ہے۔ بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے ہے۔ اس کا تعلق "مرنے کے بعد کی زندگی" سے بھی ہے اور ہماری موجودہ زندگی اور مسائل سے بھی ــــ یہ تعلق کیا ہے اور کس طرح قائم ہوتا ہے۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور ہم اسے کیوں مانیں۔ اسے ہم آپ کے اگلے سبق میں بتائیں گے اور اگر آپ نے اسے دھیان سے توجہ سے پڑھا تو آپ خود بھی حیران ہو جائیں گے کہ آپ کو تو وہ کچھ معلوم ہو گیا جو دنیا کے دوسرے کروڑوں بچوں کو معلوم ہی نہیں ہے۔

باقی آئندہ

طلوعِ اسلام خود پڑھیئے۔ دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دیجئے!!

ادارۂ طلوعِ اسلام قلمکار حضرات کے تعاون کیلئے چشم براہ ہے۔

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی

مطبوعات کی قیمتیں جنوری ۱۹۹۰ء

نوٹ: اِن قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ کھلے پارے)	۱۵۰/۰۰ روپے	برقِ طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۶/۰۰ "	شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (فی پارہ)	۵/۰۰ "	معراجِ انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ۔ مجلّد)	۱۷۰/۰۰ "	مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں (اعلیٰ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
(تین جلدوں میں۔ فی جلد)	۶۰/۰۰ "	(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۲۰/۰۰ "
لُغات القرآن۔ (مکمل سیٹ۔ مجلد۔ ایک جلد میں)	۲۸۵/۰۰ "	اِنسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "
چار جلدوں میں (فی جلد -/۷۵)	۳۰۰/۰۰ "	اِسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
تبویبُ القرآن۔ تازہ ایڈیشن (تین جلدوں میں)	۲۵۰/۰۰ "	کتابُ التقدیر (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
ایک جلد میں	۲۴۰/۰۰ "	جہانِ فردا	۴۵/۰۰ "
مطالبُ الفرقان ۔ چھ جلدیں	۴۶۵/۰۰ "	شاہکارِ رسالتؐ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "
(جلد اوّل، دوم۔ تازہ ایڈیشن۔ جلد سوم) ہر جلد	۷۵/۰۰ "	نظامِ ربوبیت (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
مطالبُ الفرقان ۔ جلد چہارم	۹۰/۰۰ "	تصوف کی حقیقت	۶۰/۰۰ "
مطالبُ الفرقان۔ جلد پنجم و ششم (ہر جلد)	۷۵/۰۰ "	قرآنی قوانین (ڈیلکس ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "	(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۰/۰۰ "
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "	سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۸۵/۰۰ "
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "	(جلد اوّل ۴۰ روپے، دوم -/۲۰ روپے جلد سوم ۲۵/۰۰ ")	

نام کتاب	قیمت
طاہرہ کے نام خطوط (ڈیلکس ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۲/۰۰ "
اسلامی معاشرت	۶/۰۰ "
مقامِ حدیث (تازہ ایڈیشن)	۱۰/۰۰ "
قرآنی فیصلے جلد اول (سابقہ اول، دوم، سوم)	۶۰/۰۰ "
جلد چہارم، پنجم (فی جلد)	۱۳/۰۰ "
ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت	۴۵/۰۰ "
حُسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (تازہ ایڈیشن)	۱۲/۰۰ "
تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ (ڈیلکس ایڈیشن)	۲۵۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۷۰/۰۰ "
نوادرات۔ مجلد	۷۵/۰۰ "
پیپر بیک	۶۰/۰۰ "
اسبابِ زوالِ اُمت	۳/۰۰ "
قتلِ مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	۸/۰۰ "
اقبالؒ اور قرآن۔ جلد اول (ڈیلکس ایڈیشن)	۴۵/۰۰ "
جلد دوم (ڈیلکس ایڈیشن)	۷۰/۰۰ "
پرنسپلز آف لا میکنگ اِن اسلام (انگریزی)	۶/۰۰ "
ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION DELUXE	" 100/-
STUDENT	" 35/-
ISLAMIC WAY OF LIVING	" 25/-

نام کتاب	قیمت
حسبِ ذیل کتب کے سابقہ ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ طبعِ نو پر اطلاع دی جائے گی۔ جہاد، سلسبیل، بہارِ نو، الفتنۃ الکبریٰ، منزل بہ منزل، فردوسِ گم گشتہ، پاکستان کا معمارِ اول، تاریخ الاُمت، فجر الاسلام۔	

مطبوعات النور پرنٹرز

نام کتاب	قیمت
قبلۂ اول (حسن عباس رضوی مرحوم)	۳۵/۰۰ روپے
میجر عزیز بھٹی شہیدؒ (نشانِ حیدر)۔ سوانح حیات (از: اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ)	۱۰۰/۰۰ "
SIR SYED AHMED KHAN AS AN EDUCATIONIST (SHAMIM ANWAR)	" 40/-
لسان القرآن (از: پروفیسر رفیع اللہ شہاب)	۳۰/۰۰ "
تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل 1989 (مرتبہ: شعبۂ تحریکِ پاکستان محکمہ اطلاعات و ثقافت پنجاب)	۷۵/۰۰ "

تصنیفات ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب

نام کتاب	قیمت
PHENOMENA OF NATURE & QURAN	" 84/-
THE HEAVENS, THE EARTH & THE QURAN	" 84/-
FOOD AND HYGIENE IN ISLAM	" 9/-
GATEWAY TO THE QURAN	" 54/-
CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN	——
مظاہرِ فطرت اور قرآن	۱۳۲/۰۰ "

کتابیں ملنے کا پتہ: طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ ۲، لاہور، پاکستان۔ فون ۸۷۹۲۴۶ ٭ مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار، لاہور، پاکستان

And it is the philosophy of life one believes in, which invokes motives, fixes the destiny and moulds the shape of the society one builds. The fact is that the Islamic way of life is unique and none of the other ways of life can be called Islamic. Nor can the Islamic way of life be separated into parts, and a partial similarity between one Islamic phase, and a phase of some other system can make the latter Islamic. The Islamic way is an indivisible whole like the human body, breaking of which into separate parts would finish the body itself. (Chapter 2, Verse 85, is very clear on this point). Islam's economic system is an integral part of the Islamic *deen* (way of life) and cannot be separated therefrom.

aspects of human life. Communistic philosophy sees Man just as a physical being—nothing more nothing less—which comes to a final end with death, and provides an economic system which can cater only for his physical welfare. Islam, on the other hand, views life as an uninterrupted and ascending stream and Man as possessing, besides his physical being, a Self or Personality capable of development· and of living efficiently further and on higher evolutionary planes of Life. The law governing development of human Self, as enunciated by the Quran, has for its basis the permanent value that by helping others a Self helps to develop itself ; although this is in contradiction to the fact that the development of man's physical being is possible only by helping itself.

Those convinced in Islamic ideology form themselves into a society or a nucleus for crystallization of the ideology. The responsibility for assuring every individual his basic needs of life, physical as well as cultural, is shifted to the Society. The proper discharge of its responsibility necessitates control on the resources of production, creating thereby a healthy environment in which the individual may be free to bring forth his utmost and to give his best for the development of all humanity. Communistic philosophy of life and the Islamic concept of life are, therefore, diametrically opposed to each other.

25-B, Gulberg, Lahore). The importance of establishing the Quranic Social Order will be obvious from Chapter 47, Verse 38, which says, if you will not establish the Order, then Allah will bring another people in replacement who will not be like you :

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ

9. Before concluding this discourse a couple of questions which generally arise in this connection, deserve to be answered briefly :

The first question is, if the Quranic Social Order is as depicted, why does the Quran talk also of *Sadaqaat* (charity), *Wirasat* (inheritance), etc.?

The Quran envisages establishment of the Order not overnight but by stages. The provisions about *Sadaqaat* etc., relate to a transitory period during which the Order is still in the course of evolution.

10. The other and more important question is, if the Quranic Economic System is as stated then what is the difference between Communism and Islam ?

Communism gives an economic system based on a particular philosophy of life. In the same way Islam is not only a Social Order but a Code of Life which deals with man as a whole and covers all

الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَإِذَا
كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ
(83 : 2-3)

Another group comprises those who inherit money, land, property etc., by reason of birth. They collect all the inheritance and with the momentum it provides gather for themselves more and more of what the others have :

وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ
حُبًّا جَمًّا
(89 : 20)

The third group comprises the Priest-craft. Chapter 9, Verse 34, mentions them and says :

إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ

"that the majority of them gobble up the earnings of others without having any right to it and thereby stand in the way of its utilization as Allah ordains," i.e., for the benefit of humanity.

8. These briefly are the five principles on the basis of which the Quran establishes its Social Order. (This theme has been dealt with at considerable length in a book entitled Nizam-e-Rabubiyyat published by Idara-e-Tolu-e-Islam,

The *fourth* principle is that wealth shall be spread throughout the Society and shall not be chequered by tiers or classes as practiced in un-Quranic societies where most of it circulates among a tiny rich class, a sizeable portion will move among the middle class and an infinitesimal portion amongst the overwhelming majority—the poor class. Wealth shall circulate throughout the different quarters of the Society, unrestricted just as the blood circulates through the entire body from head to toe.

In Chapter 59, Verse 7, which deals with the distribution of *Fai*, the reason stated for the distribution is that wealth should not circulate among the affluent only:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

Higher and lower standards of living lead to imbalance and hamper the even circulation of wealth throughout the society.

The *fifth* principle is that no one shall subsist on the earnings of another and that, excepting those who have become incapacitated, every one shall work.

Quran uses the term *Mutrafeen* for those who lead an easy life with the earnings of others, and mentions three groups in particular. One group consists of persons "who *take* with an even balance and *give* less with an un-even balance."

Chapter 2, Verse 219, carries a question and its answer. The question asked by the faithful is:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ

"How much money should we keep open for the Social Order for meeting the needs of the needy?" The answer given by the Quran is:

قُلِ الْعَفْوَ

"whatever is left over after meeting your own needs." This leaves no room for an individual clinging to surplus money.

The *third* principle is that wealth should not be hoarded.

Chapter 9, Verse 34, says:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

"Those who amass gold and silver and do not keep it open in the way of Allah, (i.e., for the uplift of mankind according to Divine Laws) warn them (O: Prophet) of an agonising doom!" [This provision relates to a stage in the establishment of the Quranic Social Order, earlier than the one envisaged under the preceding principle. Otherwise, when there is no surplus money left with individuals, there will be no question of hoarding any].

In other words, in the earthly *Jannat*, no individual remains unprovided for with the basic necessities of life. Therefore, under the unwritten agreement, referred to above, *Quranic Social Order becomes the agency for the discharge of Allah's responsibility for meeting the basic necessities of life of each and every individual.*

And the justification for existence of the Quranic Social Order is that every individual is assured the provision of the basic necessities of life, so that he may be free to devote himself to the real purpose of life, namely the development of his Self or Personality. This Self when developed is capable of living for ever. The development itself is accomplished by advancing the programme which the Social Order sets before him for achieving the common good of all mankind.

7. For the establishment of this Social Order, the Quran has laid down certain fundamental principles:

The *first* principle is that land (*Arz*) cannot become the personal property of any individual.

Arz is a means of production and *shall* remain available for the needy equally :

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (41 : 10)

The *second* principle is that surplus money, (the basis of Capitalism) *should not* remain with individuals.

Allah does not feed the hungry directly with His own hands, but does so through the agency of men, i.e., the Social Order established to enforce Divine Laws makes itself responsible for the discharge of this responsibility.

6. What is the mutual relationship between the Individual and the Islamic Social Order? There is an unwritten agreement between this Social Order and its individual members. The basic provision of this contract is that the individuals surrender to Allah their life and belongings in return for *Jannat*; see Chapter 9, Verse 111:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَ
أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

Undoubtedly there is a *Jannat* which will be attained after death, but, according to Quran, the life of *Jannat* is to be attained in this world also, provided a Social Order is built up on the lines delineated by Allah. The main characteristics of this earthly *Jannat* have been cited in Chapter 20, Verse 118, as "none will remain without food or clothes, none will suffer thirst nor heat (i.e., inclemencies of weather),"

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَ أَنَّكَ
لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ
نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ

The responsibility for feeding human beings could not have been assumed in clearer and more emphatic terms. Yet inspite of this solemn assurance we see hundreds of thousands dying of hunger and millions struggling for a scanty meal. Does this indicate non-fulfilment of the responsibility solemnly assumed by Allah? No, that is unthinkable. How do then the two positions reconcile? Chapter 36, Verse 47, shows how in human affairs Allah's responsibility is discharged. The Verse says :

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ
يَشَاءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ

"when they are asked to keep open for the development of others a portion of what Allah has given them, the people who refuse to believe in Divine Laws, tell the believers 'should we make provision for one whom Allah could provide if He willed it?' In answer to the question the Quran says that in their logic they are sadly in error :

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

Chapter 11, Verse 87, in which his people told Shu'aib:

يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا

"Does your *Salaat* command you that we should give up those whom our ancestors worshipped and cease to do with our wealth as we please?" The verse brings out prominently the close relationship between *Salaat* and Economics.

4. In view of the great importance which Quran attaches to economic life, elaborate guidance has been given therein for building up a sound economic system together with a clear exposition of the underlying purpose.

5. Chapter 11, Verse 6, contains an assertion that there is no creature on earth the responsibility for whose sustenance has not been assumed by Allah:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

Again Chapter 17, Verse 31, assures mankind that they should not "kill" their offspring fearing penury, since "Allah provides sustenance for them as well as for their offspring":

achieve a balanced all round development. *Sama* might also be taken to mean the Source of Permanent Values, (Cf. 16 : 64-65). In that case, the meaning of the verse will be that man's social and economic life should accord with the Permanent Values given by God. According to either interpretation, the eventual meaning would be the same. The position is furthur borne out by Chapter 21, Verses 21-22, which first poses the question :

اَمِ اتَّخَذُوْا آلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ

"Do they acknowledge controlling powers other than God for the expansion of (or enriching) their economic life?" and then goes on to say :

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ اِلاَّ اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

"if there were in *Arz* and *Sama* controlling powers other than Allah, that is, one for *Sama* and another for *Arz*, the entire universe would have been in chaos."

3. Thus, *Tauheed*, a main pillar of Islam, signifies that man's economic life should be governed by the Laws of Allah in the same way as they control the rest of the universe.

Another main pillar of Islam is *Salaat*, and an idea of its extent will be gauged from

they showed ingratitude for Allah's gifts with the result that Allah made them to taste hunger and fear. Ingratitude for Allah's gifts signifies that they gave up the Divine system and began living according to a man-made system.

Fourthly, Quran declares that a people whose economic condition in this life is poor will be worse off in the Hereafter. The concluding portion of the verse already cited (20 : 124) saying that "whosoever turns away from Our Code of life shall live a life of scarcity," ends by declaring that :

وَ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى

"he will on the day of *Qayamat* rise blind."

Fifthly, according to Quran, Economics and the Moral Code go hand in hand and they cannot be separated from each other. Chapter 43, Verse 84, says :

وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ

"Authority and control are His in *Sama* and in *Arz*." In this context, *Sama* in the Quran signifies universe and *Arz* signifies man's social and economic world. The verse, therefore, stresses the point that the Divine Laws under which the universe functions so smoothly should also apply to the economic life of man, so that he might

Quran has used in the verse the word "MA'EESHAT" from which comes the word "MA'ASHIYYAT," the recognised translation of "Economics."

Secondly, the Quranic Code of life does not put off the realisation of its fruits until after death, nor does it hide them in spiritual abstractness. Observance of the Code makes earthly life economically rich; its non-observance makes life on this very earth economically miserable. In fact the economic condition of a people provides a pragmatic test for the soundness of the revealed guidance.

Thirdly, while Quranic Social Order promises a life of plenty the un-Quranic systems are bound to result in economic imbalance, and economic imbalance means Allah's wrath. In Chapter 16, Verse 112,

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ
فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا
يَصْنَعُوْنَ

Allah cites the example of an habitation, where people lived peacefully and securely, receiving sustenance in abundance from everywhere and then

ECONOMICS IN THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Economics plays a significant role in the social structure of Islam ; so significant that Allah did not leave the economic aspect of life to be determined solely by human intellect and experience, but made it the subject of Revelation.

2. Briefly the essential provisions of the Quran about the economic aspect of human life are :

Firstly, Quran promises peace and plenty for those who follow the Code and for those who turn away from it, Quran portends scarcity:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا

(20 : 124)